آگ کی آغوش میں

انور



آگ
کی
آغوش
میں

انور

کے افسانے

آگ کی آغوش میں

انور

نیا ادارہ۔ لاہور

طبع دوم
قیمت 10/-

کواپریٹو کیپٹل پریس لاہور میں میاں محمد حنیف نے چھپوا کر اردو اکیڈمی لاہور سے شائع کیا۔

ممتاز شیریں

اور

صمد شاہین

کے نام

ترتیب

فساد کے دنوں میں

چاقو نے آم کے کئی ٹکڑے کر دیئے۔

آم ـــــ دُنیا میں کتنے آم ہیں۔ سُرخ، زرد، کھٹے، میٹھے۔

اور چاقو ـــــ شاید چاقو آموں سے بھی زیادہ ہیں۔ تیز چاقو، چمکدار چاقو، انگلش چاقو، جرمنی چاقو۔

چاقو آموں کو کتنی جلدی کاٹ ڈالتے ہیں۔ بیچارے نرم نرم معصوم آم، صرف اتنے گناہ میں کہ وہ نرم ہیں، کمزور ہیں۔ نرم اور کمزور آم، مشرق کے آم اور مغرب کے چاقو یعنی مغرب کے آم اور مشرق کے چاقو۔ لیکن مشرق میں چاقو کہاں۔ اور مغرب میں آم کہاں!

پلیٹ میں آم کی قاشیں گٹھلی کے اردگرد اس طرح پڑی ہوئی تھیں جس طرح گیندے کے پھول کی نوچی ہوئی پتیاں زمین پر اس کے اردگرد پڑی ہوں۔

خزاں کے موسم میں زرد رنگ کے سوکھے ہوئے پتّے درختوں کے نیچے گر جاتے ہیں۔ شام کے وقت جب کسان اپنا اپنا کام ختم کر کے اپنے اپنے گھر کو جاتے ہیں، تند ہوائیں ان پتّوں کو لیے لیے پھرتی رہتی ہیں۔ درخت ایک جگہ پر ساکن حسرت سے اپنے لباس کی دھجّیاں اُڑتی دیکھتے ہیں۔ سورج کی زرد کرنیں اس منظر کو اکیلا چھوڑ کر چلی جاتی ہیں۔

یکایک مجھے پرسوں کے ایک خط کا خیال آیا۔ میرا دوست عتیق آ رہا تھا۔ اس نے مجھے لکھا تھا کہ میں اشفاق کو ساتھ لے کر بمبے سنٹرل پر ملوں ضرور ملوں۔ میں نے گھڑی دیکھی سات بج چکے تھے۔ ٹرین کی آمد میں ۵۰ منٹ اور تھے۔ اکیا کہ دل میں نے دیکھا کہ میرے ریکارڈ میں ہزاروں ایسے موقع آئے تھے۔ جب میں نے وعدہ شکنی سے اپنے آرٹسٹ ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ اس انکشاف نے میری حوصلہ افزائی کی، اور مجھے ۵ منٹ ضایع کرنے میں بڑی راحت محسوس ہوئی۔ لیکن پھر مجھے خط کی تفصیلات نے پریشان کرنا شروع کیا۔ عتیق بغیر ٹکٹ آ رہا تھا۔ اس نے سینکڑوں طویل سفر بغیر ٹکٹ طے کئے تھے۔ وہ تمام ریلوے کمپنیوں کے ٹی۔ ٹی۔ ای ڈیپارٹمنٹ کے سپرنٹنڈنٹوں کے نام جانتا تھا۔ اور بی۔ بی اینڈ سی آئی۔ آر۔ کے ٹی۔ ٹی۔ ای ڈیپارٹمنٹ کے سپرنٹنڈنٹ کا بیٹا اشفاق تو اس کا گہرا دوست تھا۔ وہ اس دفعہ اشفاق بن کر آ رہا تھا۔ وہ ہمیشہ فرسٹ کلاس میں سفر کرتا تھا۔ اس کی دو وجہیں تھیں۔ ایک تو وہ تمام ریلوے کمپنیوں کے سپرنٹنڈنٹوں کا رشتہ دار تھا۔ دوسرے اگرچہ وہ فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ میں لیٹا بھی رہتا تھا، اکثر لیٹرین میں بھی جاتا تھا، دریچے بھی بند رکھتا تھا، لیکن پھر بھی ٹکٹ ایگزامنروں کو وہ کمپارٹمنٹ خالی خالی معلوم ہوتا تھا اور ٹکٹ دکھانے کے امکانات تقریباً تقریباً صفر تھے۔ غالباً انہیں حالات میں، وہ اب آ رہا تھا۔ اور اگر اشفاق اور میں اس کو لینے کے لئے نہ جائیں تو بومبے سنٹرل میں اس کے

پکڑے جانے کے امکانات اگر زیادہ نہیں تو ایک ٹا دو فی صدی ضرور تھے۔ صرف ½ فی صدی۔ اس ریاضی نے میری حوصلہ افزائی کی۔ اور مجھے دوسرے ۵ منٹ ضائع کرنے میں بہت راحت محسوس ہوئی۔ لیکن پھر خیالات کے آتش فشاں پہاڑ نے آنکھ کھول دی! اگر وہ پکڑا گیا تو وہ فرسٹ کلاس کا کرایہ کہاں سے لائیگا، میں نے جو سرمایہ جمع کیا تھا۔ اس کا کل ڈریسنگ ٹیبل خرید لایا۔ کیا وہ پھر بیچ دینا پڑے گا؟ اور اگر وہ نہ پکڑا گیا تو اس کو میرا گھر مل جائیگا؟ ہاں میرے خطوں پر پتہ اس کی مدد کرے گا۔ لیکن فساد! ہندو مسلم فساد اور کرفیو آرڈر ——— میں نے سوچا اگر کل کو اخبار میں لکھا ہو گا کہ ایک نوجوان مسافر بمبئی سنٹرل سے نکل کر ٹیمنگٹن روڈ پر جا رہا تھا۔ وہ کسی کی تلاش میں معلوم ہوتا تھا۔ ایک نامعلوم شخص نے اس پر چاقو سے حملہ کر دیا۔ نوجوان مسافر اسی جگہ پر مر گیا۔ اخبار میں یہ تو نہیں لکھا ہو گا کہ وہ نوجوان مسافر فرسٹ کلاس میں ٹکٹ کے بغیر سفر کر کے بمبئی میں پہونچا تھا۔ لیکن اس جانکاہ حادثے کے علاوہ بھی واقعات کچھ کم غیر معمولی نہیں۔ اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ پلیٹ فارم پر ہی ٹکٹ چیکر اس کو پکڑ لے پھر کیا ہو گا؟ ——— پھر ——— پھر ——— ڈریسنگ ٹیبل ——— فساد ——— چاقو ——— آم کی قاشیں ——— گیندے کا پھول ———

میں نے آم کے کھاتے ہوئے چھلکے اور گٹھلی دریچے سے نیچے پھینک دیئے۔

جب میں کپڑے پہن رہا تھا مجھے خیال آیا کہ آم کے چھلکے نیچے فٹ پاتھ پر بکھر گئے ہونگے۔ ممکن ہے انہوں نے وہ جگہیں گھیر لی ہوں، جہاں رات کو مزدور اپنے ٹاٹ کے بستر بچھا کر سوتیں گے۔ میں نے اچھا نہیں کیا، لیکن مزدور ان کو آسانی کے ساتھ اپنے راستے سے ہٹا سکتے ہیں۔ آم کے چھلکے ان کا مقابلہ نہیں کریں گے۔ وہ صبح سے لیکر شام تک

دوسروں کے لئے بھاری بھاری پتھروں کی شاندار آرامگاہیں بنانے میں مشغول رہے ہیں اور صلے میں ان کو صرف آٹھ آنے ملے تھے۔ کیا وہ رات بھر کا آرام صلے میں پانے کے لئے ان آم کے چھلکوں کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹا سکتے۔

اتفاق سے میری نظر دریچے میں سے نیچے چلی گئی۔ آم کے چھلکے نیچے فٹ پاتھ پر نہیں گرے تھے۔ ایک وکٹوریہ والا نیچے سے گذر رہا تھا، اس کی پرانی پھٹی ہوئی گدّے دار سیٹوں پر بکھر گئے۔ وکٹوریہ والے نے اپنے سیاہ بھنچے ہوئے چہرے پر اپنی سرخی مائل زرد آنکھوں سے میری طرف گھور کر دیکھا میں پیچھے ہٹ گیا۔ اور جب میں نے دوسری دفعہ ڈرتے ڈرتے نیچے نگاہ ڈالی، تو دیکھا کہ وکٹوریہ والا آم کی گٹھلی کو چوس رہا ہے۔ اتنی ہمت نہ ہوئی کہ کہہ دوں مجھے گاڑی چاہئے۔ وہ چلا گیا۔

میں نے گھڑی کی طرف دیکھا وقت بہت تھوڑا تھا۔

ناگپاڑہ —— بھنڈی بازار —— پائیدھونی —— کالبا دیوی —— دھوبی تلاؤ —— یہاں مجھے اشفاق کو اپنے ساتھ لینا تھا۔ اور وہاں سے میرین ڈرائیو سبربن سٹیشن سے بمبے سنٹرل کے لئے الیکٹرک ٹرین کا ٹکٹ مل سکتا تھا سکیم یہ تھی کہ میں اور اشفاق تین پلیٹ فارم ٹکٹ لیکر اندر چلے جائیں۔ اور پھر تینوں پلیٹ فارم ٹکٹ سے باہر آجائیں رات اشفاق کے گھر میں کرفیو کے علاقے سے باہر بسر کی جائے۔ سکیم تو ٹھیک تھی لیکن میں سٹیشن پر کس طرح پہنچوں۔ دھوبی تلاؤ تک راستہ ہندو مسلم فساد کا سین تھا۔ اور کرفیو آرڈر بالکل نزدیک!

میں بھاگ نکلا۔

ٹرامیں، بسیں، وکٹوریہ گاڑیاں، سب بند ہو گئیں۔ پیدل جانے پر مجبور ہو گیا۔

کاش وہ کمبخت خط یاد ہی نہ آتا، یا اگر یاد آیا تھا، تو میں اپنے استدلال سے آپ ہی شکست نہ کھا جاتا۔

میں نے مغربی وضع کے کپڑے پہن رکھے تھے، لیکن بہت سے لوگ جانتے تھے کہ میں عیسائی نہیں ہوں۔ راستے کا پہلا حصہ مسلمانوں کا علاقہ تھا اور دوسرے حصے میں ہندو آباد تھے۔ ہندوؤں کے علاقے کی نسبت مسلمانوں کے علاقے میں مجھے خطرے کا زیادہ احساس تھا۔ کیونکہ میں نہ مسلمان تھا نہ ہندو۔ اور مسلمان مجاہدین کے نزدیک کسی ہندو کافر کے قتل کے مقابلے میں کسی ایسے کافر کو جس کا کافر ہونا اور کافر نہ ہونا واضح نہ ہو، قتل کرنا زیادہ ثواب کا موجب ہوتا ہے۔ میرے چاروں طرف خطرہ ہی خطرہ تھا۔ بیشمار خطرے اور میں اکیلا۔

میں جا رہا تھا۔ لیکن خطرے کے احساس کی شدت میں ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے میں نے ایک قدم بھی منزل کی طرف نہیں اٹھایا۔ سڑک دور تک خالی خالی معلوم ہوتی تھی۔ اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سپاہی بندوقیں لئے کھڑے تھے۔ قیمتی سامان کی تمام دکانیں بند تھیں۔ پان بیڑی سگرٹ کی چند دکانیں، کباڑیوں کے کچھ کباڑ خانے، چند ہوٹل اور ایسی ہی کچھ اور چھوٹی چھوٹی دکانیں جو کئی دن کے بعد کھلی تھیں، بند ہو رہی تھیں۔ ماحول ہولے ہولے بھیانک سیاہی میں ڈوب رہا تھا۔ ہنگامہ ہولے ہولے قبرستان بن رہا تھا۔ قبرستان! تہذیب کا قبرستان!

وہ سیلاب! انسان اپنی تمام قوتیں جمع کر کے اس کو روکنے کی کوشش کرتا ہے ساکن کرنے کی کوشش، تاکہ ساکن کرنے کے بعد وہ اس کو آسانی سے پیچھے کی طرف دھکیل سکے۔ اور وہاں لے جائے۔ جہاں سے وہ شروع ہوا تھا۔ اندھیرے میں، جہالت کے اتھاہ اندھیرے میں، جہاں کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ جہاں سب ٹھوکریں کھا کھا کر گرتے ہیں

سیلاب ایک لمحے کے لئے ٹھہر جاتا ہے۔ انسان کی موہوم کامیابی پر مسکراتا ہے۔ اور پھر آگے چل پڑتا ہے۔ زیادہ تیز رفتار کے ساتھ، .... زیادہ قوی ارادے کے ساتھ، وہ سیلاب، وہ زندگی کا بے پناہ طاقتور سیلاب!

میں جا رہا تھا۔

اور جب کوئی پتلا جیسا، مریل جیسا، ہڈیوں کا سیاہ فام ڈھانچہ، اپنی بے جان بے رنگ آنکھوں سے میری طرف دیکھتا ہوا میرے پاس سے گذر جاتا تھا، میرے دل میں ایک لرزے کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ میں دور تک اس کو مڑ مڑ کر دیکھتا رہتا تھا۔ کیا جانے وہ کب حملہ کر دے۔ اور کون جانے وہ سخت سخت چیز جو مجھ کو اس کے ساتھ ٹکر کھاتے وقت اس کی قمیص کے نیچے محسوس ہوئی، اس کی پسلی نہیں تھی۔ بلکہ چھری تھی۔ میں اور بھی زیادہ خوفزدہ ہو گیا۔ مجھے ایسا معلوم ہونے لگا۔ جیسے اونچی اونچی بلڈنگیں بڑے بڑے خونخوار ٹینک ہیں۔ اور مجھ کو کچل ڈالنے کے لئے حکم کے منتظر کھڑے ہیں۔ سپاہی بندوقوں کے ساتھ اٹینشن کھڑے تھے۔ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کانٹے والے کانٹا بدلنے کے لئے تیار ہیں عنقریب سگنل ڈاؤن ہو جائے گا۔ اور غارتگری کی ٹرین مجھ کو کچلتی ہوئی نکل جائے گی۔

اوخدایا ——— ہیں! ——— خدا ——— ہاں بھئی! ——— خدا ———

خدا کا رسول ——— اسلام ———!

میں مسلمان ہوں، اور یہ علاقہ مسلمانوں کا ہے۔ بھنڈی بازار۔ کیوں نہ میں اپنے مومن ہونے کا ثبوت دوں۔ اس طرح کسی مومن کے ہاتھوں مرنے کے امکانات کم ہو جائیں گے۔ قرآن میں نے مدت ہوئی بچپن میں پڑھا تھا۔ ساری عمر رمضان کے مہینے میں کسی مسجد کی امامت نصیب نہیں ہوئی۔ سب بھول گیا۔ میرے والدین نے تو مجھ کو

قرآن حفظ کرانے کی کوشش بھی کی تھی لیکن آج شام کے ۶½ بجے تک میں قرآن کو حفظ کرنا دماغ کی تمام طاقتوں کو فنا کر دینے کا مترادف سمجھتا تھا۔ اب میں نے اپنا وہ فیصلہ منسوخ کر دیا۔ اس کا یہ مطلب بشیک نہ ہو کہ میں قرآن کو حفظ کرنے پر آمادہ ہو جاؤں گا۔ کم از کم ہیپے سنٹرل پہونچنے تک تو میں اپنے غلط فیصلے پر عتاب نازل کرتا رہوں گا۔ اس کے بعد ——

وہ کون ہے؟

ہر چند مجھے کسی نے بتایا تھا کہ حملہ کرنے والے نظر نہیں آیا کرتے۔ پاس ہی کہیں چھپے ہوتے ہیں اور اپنا کام کرنے کے بعد فوراً کہیں چھپ جاتے ہیں لیکن معلوم نہیں مجھے اس سامنے سے آنے والے سے کیوں ڈر معلوم ہوا۔ چھوٹا سا، ہلکا سا، خنی سا مرطوب آب و ہوا کا بھگویا ہوا۔ ہفتوں کے فاقوں کا مارا ہوا۔ میرے ایک چانٹے کی مار۔ اس میں کوئی چیز مرعوب کرنے والی نہ تھی۔ سوائے اس کے کہ وہ مسلمان تھا........ اور.....

اور..........

"السلام وعلیکم"

حالانکہ میرے رشتے داروں کو مجھ سے شکایت ہے کہ میں کسی کو سلام علیکم نہیں کہتا۔

"وعلیکم السلام"

وہ اجنبی نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے میرے پاس سے گذر گیا۔

نام نہاد کامیابی کے اس احساس نے مجھے تھوڑا سا دلیر کر دیا۔ اور جب مجھے دوسری دفعہ یہ خیال آیا کہ خطرہ فٹ پاتھ کی طرف زیادہ ہے تو میں فٹ پاتھ کو چھوڑ کر سڑک کے کنارے پہ چلنے لگا۔ دماغ کو ذرا فرصت تھی۔ میں نے قرآن کی بھولی ہوئی آیتوں کو یاد

کر کر کے جوڑنا شروع کر دیا لیکن اس ثواب کے کام میں کامیابی محال معلوم ہوتی تھی۔ جب آیت کا کوئی ٹکڑا میرے دماغ کی مینوفیکچرنگ کمپنی میں قدم رکھتا تھا تو پاس ہی کوئی دکاندار اپنی دکان کے دروازے کو بند کر دیتا تھا، اور دروازے کی آواز سنکر آیت کا وہ ٹکڑا جان بچا کر بھاگ جاتا تھا۔ اس طرح ایک مدت تک کارخانے میں کوئی چیز تیار نہ ہو سکی۔ اور اس سست رفتاری پر مجھے بہت غصہ آیا۔ جب کچھ دور ایک گلی میں سے آدمیوں کا ایک گروہ نکل آیا۔ وہ کسی مل کے مزدور معلوم ہوتے تھے، اور چھٹی کے بعد خوشی کے ایسے نقطے پر تھے جہاں پہونچکر ہجوم خطرناک ہو جاتا ہے۔ سڑک پر آکر ان میں سے اکثر میری طرف مڑ گئے۔ اب میں گھبرا گیا۔ گھبراہٹ میں ادھر ادھر دیکھا۔ فٹ پاتھ کے اس طرف دو بلڈنگوں کے درمیان ایک قبر تھی، قلعی سے سفید کی ہوئی، جس کے تعویذ میں چراغ کا طاق دھوئیں اور تیل سے سیاہ ہو گیا تھا۔ میں اس کے پاس جا کے کھڑا ہو گیا۔ ہاتھ اٹھا کر اور بائیں پاؤں سے بوٹ کھول کر فاتحہ پڑھنے لگا۔

فاتحہ کہاں پڑھنے لگا، صرف ہونٹ ہلا رہا تھا۔ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ اسکے بعد کچھ بھی یاد نہیں رہا۔ شاید خوف سے یا حافظے کی مہربانی سے یا بار بار آنے والے اس خیال سے کہ کنکھیوں سے دیکھوں وہ کہاں پہونچ گئے ہیں۔ بہرکیف میں آگے نہیں پڑھ سکا۔ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ اس کے معنوں پر غور کرنے لگا۔ پناہ مانگتا ہوں میں اللہ سے ناپاک شیطان کے خلاف، ایک شیطان؟ یہ تو کئی شیطان ہیں۔ ترمیم کی ضرورت ہے۔ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔ اب ٹھیک ہے — یعنی یہ کہ — کہ — خیر — عربی بھی کیا واہیات مضمون ہے۔ مولوی صاحب کی مار سے کوئی کوئی بچتا تھا — اعوذ فعل مضارع، صیغہ واحد متکلم۔ اَعوذ — اعوذانِ — اَعوذونَ — تعوذُ —

—— تعوذ اِن —— ۱۸ صیغے ہیں —— ۱۴ گننے پڑتے ہیں —— ۱۴ نہیں ۱۸ ——
اگر ۱۸ نہیں تو کم سے کم ۱۶ تو ضرور ہیں، اور ہیں اکیلا —— یوں تو وہ کوئی رستم نہیں ——
پھر بھی تو رستم نہیں —— یا خدا ——

—— اور یونہی خدا خدا کر کے وہ میرے پاس سے گذر گئے۔

مجھے اپنے آپ پر بہت غصہ آیا۔ مسلمان ہوں اور فاتحہ سے واقف نہیں ہیں نے ایسا محسوس کیا جیسے فاتحہ کے بغیر جان خطرے میں ہے۔ اور اب سامنے سے ملنے والا شخص سب سے پہلے یہ کہے گا۔ ذرا فاتحہ تو سناؤ۔ میں نے دوبارہ بافندگی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ اور آیتوں کے ٹوٹے ہوئے تار جوڑنے شروع کیے۔ مجھے یاد آیا کہ فاتحہ اعوذ باللہ سے شروع نہیں ہوتی۔ بلکہ بسم اللہ سے شروع ہوتی ہے، اور اس کے قافیے اکثر تفعلین کے وزن پر ہیں۔ مثلاً مالکِ یوم الدین —— نستعین —— رب العالمین —— ولا الضالین —— آمین —— میری آنکھوں کے سامنے امتحانوں کے وہ تمام پرچے آ گئے۔ جن میں اکثر یہ سوال ہوتا تھا۔ خالی جگہوں کو پُر کرو۔ مجھے ایسے سوال حل کرنے کی مشق تھی۔ ذرا زیادہ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ میں نے قافیے آگے پیچھے رکھ دیئے ہیں۔ ذرا اور زیادہ کاوش سے کام لینے کے بعد میں نے سوال حل کر کے رکھ دیا۔ ۱۱ دفعہ دُہرا لینے پر مجھے اللہ کے کلام نے فائدہ پہونچانا شروع کیا۔ اور جب اس دفعہ میرے پاس سے ایک شخص گذرا میں نے اس کو سلام علیکم نہیں کہا۔ غرور سے سر اونچا کیے چلتا رہا۔ لیکن اُس کمبخت نے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ مجھے فاتحہ یاد ہے یا نہیں؟

اب مجھے فاتحہ پر کچھ بھروسہ نہیں رہا۔

اس دفعہ ایک گروہ پیچھے سے آ رہا تھا۔ ہنستا ہوا، کھیلتا ہوا۔ میں سہم گیا۔ ہنستا ہوا

تھا کہ اکثر حملے پیچھے سے ہوتے ہیں۔ تیز نہیں ہوا کہ وہ میری طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ ٹھہرا نہیں کہ میرے پاس کوئی بہانہ نہیں تھا میں ہولے ہو گیا۔ اتنا ہولے کہ میرے جذبات پہ ان کے قریب آتے ہوئے قدم ہتھوڑوں کی طرح لگنے لگے۔ کس طرح ان کو بتاؤں کہ میں مسلمان ہوں،

میں نے گانا شروع کر دیا۔

ڈرتے نہیں دنیا میں مسلمان کسی سے

یہ پوچھ علیؓ سے

میرے پیچھے قہقہوں کا طوفان برپا ہو گیا۔

ہونا بھی ایسا ہی چاہیے تھا۔ وہ ڈگمگاتے ہوئے انداز کا ترنم جو لفظوں کے ساتھ لپٹا ہوا میرے گلے سے نکل رہا تھا، میری بہادری کا کافی ثبوت، تھا حضرت علیؓ کے پاس جانے کی تو ضرورت بھی نہ تھی۔ ویسے بھی یہ ندرت کیا کم تھی۔ کہ اپنی بہادری کو آشکار کرنے کے لئے ثبوت وہ دیا ہے جو حل ہی نہ سکے۔ نہ مُردہ بولے اور نہ میری بزدلی ظاہر ہو۔

"واہ بھئی واہ! بہت اچھا گاتے ہو"

وہ میرے ساتھ آملے۔

"کچھ اور ہو جائے پھر"

اب میں انکار کیسے کروں، انکار کر دوں تو وہ ناراض ہو جائیں، اور شاید اسی ناراضگی کی بنا پر میرا قلع قمع کر دیں۔ میں نے کھسیانی سی آواز میں کہا۔

"بھئی مجھے گانا دانا تو آتا نہیں۔ یہ تو جذبات ہیں جو کبھی کبھی بے رنگ بے ڈھنگ شکل میں اُبل کر باہر آگرتے ہیں۔ دراصل مجھے اپنے سچے اور خالص مذہب اسلام سے

اسلام کے پیروکاروں سے، اسلام کے بانی سے اور خدا سے بےحد عقیدت ہے۔"

کسی نے کہا "ہاں بھئی تو کچھ ہو جائے۔"

میں نے پھر گانا شروع کر دیا۔

بگڑی کو موری بنا دو محمد پیارے

بگڑی کو موری بنا دو محمد پیارے

بگڑی کو موری بنا دو

اذان ہونے لگی۔

میں دم بخود ہو کر کھڑا ہو گیا۔ میرے ساتھ وہ بھی کھڑے ہو گئے۔

سب سے زیادہ نازک وقت وہ تھا جب وہ سب کے سب ایک مسجد میں داخل ہو گئے اور مجھے بھی ان کے ساتھ اندر جانا پڑا۔ میں آہستہ آہستہ اپنے بوٹوں کے تسمے کھولنے میں مشغول ہو گیا۔ وہ صحن میں چلے گئے۔ میں نے میدان صاف پایا۔ ادھر ادھر دیکھا اور پیچھے سے باہر نکل گیا۔

اب میں پائیدھونی میں داخل ہو گیا۔ یہ ہندوؤں کا علاقہ ہے۔ مجھے ہندوؤں سے اتنا ڈر نہیں لگتا جتنا مسلمانوں سے۔ وجہ معلوم نہیں۔ شاید اس لئے کہ ہندو مسلمانوں کے مقابلے میں ذرا زیادہ مہذب ہیں۔ اور تہذیب انسان کو بردبار بنا کر بزدل بنا دیتی ہے۔ ہندوؤں کی یہ تہذیب ان کی جسمانی کمزوری پر مبنی ہے یا دماغی تعلیم پر؟ اس کے متعلق سوچنے کے لئے میرے پاس وقت نہیں تھا۔ اتنی بات ظاہر ہو گئی کہ میں ناگپاڑے اور بھنڈی بازار میں ڈر کے مارے کیوں بچکچا رہا تھا؟ کیونکہ میں تعلیم، تہذیب، بردباری اور بزدلی کی تمام منزلیں طے کر چکا تھا۔ اور اب ناگپاڑے اور بھنڈی بازار کے خاردار

راستوں پہ گامزن تھا۔ ان پتھریلے خطرناک راستوں کے بعد یہ رتیلے دشوار گذار راستے کوئی بڑی بات نہیں۔ میں بے کھٹکے جا رہا تھا۔

پھر کالے کپڑے سے بنی ہوئی گتے کی ٹوپی یا کھدر کی بنی ہوئی گاندھی کیپ میں وہ ہیبت کہاں تھی جو خونی رنگ کی تہ کی ٹوپی اور انقلابی انداز کی مصطفےٰ کمال کیپ میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ ماش کی دال اور چاولوں سے پھولے ہوئے جسم مکا مارنے والے ہاتھ کے لئے زیادہ نقصان دہ نہیں ہوتے۔ کیونکہ ایک نو دس سال کی ہندوستانی لڑکی اپنے نازک ہاتھوں سے بارہ آدمیوں کے لئے آسانی کے ساتھ آٹا گوندھ سکتی ہے ایک دفعہ دہلی میں میں نے ایک مسلمان ٹانگے والے کی پسلی پر مکا مارا تھا۔ میرا ہاتھ سوج گیا دو آنے کی ٹنکچر آیوڈین خرچ ہوئی۔

غرضیکہ میں جا رہا تھا۔

یکایک میرے سامنے دو گز کے فاصلے پر ایک سوڈے کی بوتل آ گری۔ پھٹی۔ ایک اور ایک دو۔ بالکل میرے نزدیک لیکن کوئی ٹکڑا میرے نہ لگا۔ میں بھاگا۔ بھاگا۔ بھاگا۔ بوتلوں کا گرنا اور میرا بھاگنا دیکھ کر تمام لوگ ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ شور مچ گیا۔ پل میں بازار خالی ہو گیا۔ ایک دفعہ پھر میرے دل میں خطرے کا احساس جاگ اٹھا۔ دشمن کو کمزور نہیں سمجھنا چاہئے۔ لیکن بھاگنا اچھا نہیں۔ میں تیز تیز چلنے لگا۔ ویسے بھی مجھے تیز ہی چلنا چاہئے تھا۔ کرفیو آرڈر شروع ہونے میں تھوڑا وقت باقی تھا۔ کتنے کمبخت ہیں یہ ٹراموں، بسوں، ٹیکسیوں اور گاڑیوں والے کہ کرفیو سے آدھا گھنٹہ پہلے ہی سروس بند کر دیتے ہیں۔

اب میں کالبا دیوی میں تھا۔ یہ بازار مقابلتاً تنگ اور زیادہ گنجان آباد ہے لیکن

"مارا ماری" کی خبر یہاں بھی پہنچ گئی تھی۔ اور آن کی آن میں بازار خالی ہو گیا تھا۔ جو اکا دکا آدمی نظر آتے تھے وہ بھی کسی پناہ کی طرف تیز تیز جا رہے تھے۔ اِس بازار میں مجھے چاقوؤں اور چھریوں کے حملوں کا زیادہ اندیشہ نہیں تھا۔ سوڈے کی بوتلوں، پتھروں اور گندی چیزوں کا خطرہ تھا۔ دونوں طرف اوپر کی منزلوں میں اکثر رہائش کے مکانات ہیں جن میں ہندو فیملیاں رہتی ہیں۔ فساد کے دنوں میں اُن کے فرائض یہ ہیں کہ وہ ٹوکریوں میں شیشے کے ٹکڑے، سوڈے کی بوتلیں اور پتھر وغیرہ جمع کر کے رکھ لیں اور اگر کوئی راہگیر اُن کے مکان کے نیچے سے گذرے تو اُس کے سر پر اپنی ٹوکریاں اُلٹا دیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کام عورتوں کا ہے اور عورتوں کے دل میں اپنے ہم مذہبوں کے لئے زیادہ جذبہ ہوتا ہے۔ اِس لئے میں ہندو بن گیا۔

میں گانے لگا:

جے جے جے جگدیش ہرے

بھگت جنوں کے ......

بہت زور لگایا آگے یاد ہی نہ آیا تنگ آ کے میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ اور پوران بھگت کا ایک بھجن گانے لگا۔

بھجوں میں تو بھاوے شری گردھاری

ہردے میں اب دُھن ہے رام نام کی پیاری

بھو بھے بھنجن

جن من رنجن

مکل کشٹ وِودھاری

ہردے میں اب دھن ہے رام نام کی پیاری
بھجموں میں تو بھادے شدی گردھاری
ہردے میں اب دھن ہے رام نام کی پیاری

میں نے محسوس کیا کہ میری آواز اوپر کی منزل تک نہیں پونچ سکتی۔ کوئی ایسا گیت ڈھونڈنا چاہیئے۔ جو اونچے سروں میں گایا جا سکے۔ میں اس سوچ میں کافی دور تک چلا گیا۔ کوئی ایسا گیت نہ ملا۔ دراصل گیت تو بہت ملتے تھے، میں نہیں، مطلب تھا میرے حواس اب کچھ باختہ سے ہوتے جا رہے تھے۔ میری سوچنے کی قوت سلب ہوتی جاتی تھی۔

میرے پیچھے ایک کی آواز آئی۔

"آہ . . . بچاؤ . . . مر گیا"

میں بجلی کی تیزی سے پیچھے مڑا۔ میرے بالکل نزدیک ایک شخص دھڑام سے نیچے گرا، تڑپا اور ٹھنڈا ہو گیا۔ مقتول کپڑوں سے مسلمان معلوم ہوتا تھا۔ کوئی اس کی مدد کو نہیں پہنچا، سب تتر بتر ہو گئے۔ میں بھاگتا گیا۔ مجھے زندگی اور موت کے نقوش نظر آنے بند ہو گئے۔

"پولیس — پولیس"

قاتل نے بھاگتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

او خدا — یہ تو وہی وکٹوریہ والا ہے جس پر میں نے آم کے چھلکے پھینک دئیے تھے۔

میرا حوصلہ ٹوٹ گیا۔ وکٹوریہ والا اپنا انتقام لے گا۔ بھاگ میں بھاگ پڑا۔ بے تحاشا سرپٹ کا لمبا دیوی کا سارا بازار بھاگ کر عبور کیا۔ پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ اس بھاگنے

کے سلسلے میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ میں جہاں پہنچتا تھا۔ وہاں کے پیدل جانے والے آدمی میرے ساتھ بھاگنے لگتے تھے۔ میرے بھاگنے سے وہ گھبرا جاتے تھے اور ان کے بھاگنے سے میں زیادہ گھبرا جاتا تھا۔ اس طرح میں بھاگ بھاگ کر ادھ مؤا ہو گیا کوئی نہیں بھئی مار کھا کھا کر ادھ مؤا ہونے سے بھاگ بھاگ کر ادھ مؤا ہونا بہتر ہے۔ بالآخر میں ایک گلی کی طرف مڑ گیا۔ دراصل وہ گلی نہ تھی۔ مکانوں کے دروازے اس میں نہیں کھلتے تھے۔ وہ دو بلڈنگوں کے درمیان چھوٹا سا فاصلہ تھا۔ میں اس میں گھس گیا۔ ایک بالکنی کے نیچے نڈھال ہو کر گر پڑا۔

معلوم نہیں میں وہاں کتنی دیر پڑا رہا۔ یقیناً اتنی دیر جس کے دوران میں میرا دوست بمبئے سنٹرل پر پہنچ کر گرفتار ہو چکا ہو گا۔

ہو جائے بھئی میں کیا کروں۔

پھر جب میرے حواس کچھ درست ہوئے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اندھیرا ہو چکا تھا۔ یکایک کوئی سخت سی چیز میرے سر پہ گری۔ اور کسی چیز کے ٹکڑے میرے جسم کے مختلف حصوں سے ٹکرائے۔ میں پھر گھبرا گیا۔ میں نے سمجھا کسی نے میری طرف پتھر پھینکا ہے۔ میرے سر میں لگی ہو گی اور خون بہنے لگا ہو گا۔ مجھے محسوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ میں بھنایا ہوا ہوں۔ میں نے اپنے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ خون نہیں تھا۔ پھر دوسرے اندیشے بیدار ہو گئے شاید کوئی ایسی کیمیاوی چیز ہے۔ جو تھوڑی دیر کے بعد پھٹ جائیگی اور مجھے ہلاک کر دے گی۔ مجھے یہاں سے چلا جانا چاہئے۔ فوراً۔ ابھی اسی وقت، میں جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ جاتے جاتے مجھے خیال آیا دیکھوں تو سہی آخر وہ کیا چیز ہے۔ میں جھکا اور ٹٹول کر دیکھنے لگا۔ وہ آم کی گٹھلی اور چھلکے تھے۔

میں دوڑتا ہانپتا گلی کے نکڑ تک پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ دھوبی تلاؤ کے کنارے پر ہوں۔ کرفیو کا علاقہ مجھ سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر ختم ہوتا تھا۔ مجھے اپنی کم ہمتی پر بہت افسوس ہوا۔ اگر میں سو گز اور بھاگتا چلا جاتا تو کرفیو کے علاقے سے باہر نکل جاتا۔

یکایک مجھ میں جرأت آگئی۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ کوئی پولس مین نظر نہیں آیا۔ میں بھاگا اور ایک منٹ کے کسی حصہ میں کرفیو کے علاقے سے باہر ہو گیا۔ وہاں سے اشفاق کا گھر ۵ منٹ کا راستہ تھا۔

میں نے گھنٹی بجائی۔ دروازہ کھُلا۔

او خدا! یہ تو وہی وکٹوریہ والا ہے جس پر میں نے آم کے چھلکے پھینکے تھے۔

"معاف کرنا بھئی۔ میں نے سمجھا کہ یہ اشفاق صاحب کا مکان ہے۔"

"اسفاک صاحب اندر ہیں۔"

"ہیں! اچھا اچھا! میں اُن سے ملنا چاہتا ہوں، وہ میرے دوست ہیں۔"

میں نے اندر کے دروازے کا پردہ اُٹھایا۔ اشفاق اور عتیق صوفے پر بیٹھے تھے۔ عتیق مجھ کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

میں نے کہا "عتیق! تم آگئے! تم نے تو آج مجھے مار ہی ڈالا تھا۔"

"کیا ہوا؟" عتیق نے پوچھا۔

میں نے تمام کہانی سنا دی۔

"اور ان حضرت کو بھی تمہیں سزا دینے کی سزا مل گئی ہے۔ آپ اسٹیشن پر بغیر ٹکٹ پکڑے گئے تھے۔ ۴۳ روپے ۱۰ آنے ادا کر کے آیا ہوں۔"

کچھ دیر قہقہوں میں گذر گئی۔ میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

خاموشی کے ایک وقفے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، کمرے میں چاروں طرف دیکھ کر رازدارانہ انداز میں میں نے کہا۔" اشفاق ——— یا دوسرے کمرے میں وہ شخص کون ہے۔ جس نے میرے لئے دروازہ کھولا تھا ———؟"

"اس کا نام شریف ہے، وہ ایک وکٹوریہ والا ہے۔"

میں نے اور بھی زیادہ دبے ہوئے لہجے میں کہا۔"میں اُس کو پولیس کے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔ اُس نے کالبا دیوی میں میرے سامنے ایک شخص کا خون کیا ہے۔"

اشفاق نے شریف کو آواز دی۔ شریف اندر آ گیا۔

"شریف! تمہارے کارنامے کا ثبوت مجھے مل گیا ہے۔ لو پانچ روپے، اور جاؤ۔"

"اشفاق! تم کیا کر رہے ہو؟ مقتول مسلمان تھا۔"

"میں جانتا ہوں ——— تم جاؤ شریف!"

شریف چلا گیا۔

"میں اُس کو نہیں جانے دوں گا، اشفاق! وہ قاتل ہے۔"

"اگر تم نہ آتے تو بیچارے کو اس کی مزدوری نہ ملتی۔ وہ دیر سے مجھے یقین دلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ تمہاری گواہی فیصلہ کن ثابت ہوئی۔"

میں بولنے کی اضطراری خواہش کو زبردستی دبا کر اُس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔

اُس نے صوفے سے اُٹھتے ہوئے کہا۔"عتیق اور میں تمہاری طرف آنے ہی والے تھے۔ ایک مدت کے بعد تین بچپن کے دوست جمع ہوئے ہیں، ساتھ کھیلے ہوئے، ساتھ پڑھے ہوئے۔ مل کر شرارتیں کرنے والے، مل کر بحثوں میں وقت کھونے والے، مسجد کو جا جا کر دکھانے والے، روزے کھا کھا کر ثواب حاصل کرنے والے ———"

اشفاق ٹہل رہا تھا۔ اُس کی باتیں لیکچر کی شکل اختیار کرتی جاتی تھیں: "ہم نے اکٹھے بی۔ اے کیا۔ پھر زندگی کی تلخ حقیقتیں سامنے آ گئیں۔ ہم جدا جدا ہو گئے۔ بیکاری کے تھپیڑوں نے ہماری ذہنوں کے ساحلوں کو کھوکھلا کر دیا۔ ہمیں معاش کی فکر نے ایک مدت تک ایک دوسرے سے بیگانہ رکھا ۔۔۔"

وہ ایک کرسی کی بیک پکڑ کر میری طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا: "پھر میں نے تمہارے لئے ایک ملازمت ڈھونڈ کے تمہیں یہاں بلا لیا۔ آج عتیق بھی آ پہنچا ہے۔ آج ہم تینوں دوست پھر اکٹھے ہو گئے ہیں۔ آج ہماری زندگی کا قافلہ پھر رواں ہوتا ہے۔ نئے عہد کے ساتھ، نئے عزم کے ساتھ، نئے ارادوں کے ساتھ، ہم کو پھر نزدیک سے ایک دوسرے کا مطالعہ کرنے کا موقع ملے گا۔ اور جب ہم ایک دوسرے کو اپنے اپنے حقیقی رنگ میں دیکھیں گے تو ہم حیران رہ جائیں گے۔ ہم کو معلوم ہو گا کہ ہم پہلے سے بہت زیادہ تبدیل ہو گئے ہیں۔ ہم کو اس تغیر پر پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ تغیر دنیا کی ایک بہت بڑی حقیقت ہے زندگی کی دوڑ شروع کرنے سے پہلے ہم آسانی سے بڑے بڑے نظریے بنا لیتے ہیں لیکن وہ نظریے زندگی کی چٹانوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ پھر ماحول ہماری مدد کو آتا ہے ہماری زندگی کی عمارت نئی اور زیادہ پائدار بنیادوں پر قائم ہوتی ہے۔ ہم اپنے آپ کو ایک زیادہ خوشگوار دنیا میں پاتے ہیں۔"

وہ پھر ٹہلنے لگا۔ اُس کے چہرے پر سنجیدگی کی بجائے مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ "مجھے ۱۹۳۱ء کی سول نافرمانی یاد ہے۔ ہمارا اُس سول نافرمانی کی تحریک میں حصہ لینے پر قید ہونا بھی یاد ہے اور جب مجھے اپنی وطنیت کی وہ شوریدہ سری یاد آتی ہے تو مجھے بے اختیار ہنسی آ جاتی ہے کیونکہ ہماری وہ غیر معمولی قربانیاں ملک کی آزادی کے لئے نہ تھیں، بلکہ لیڈر بننے کے لئے

تھیں ــــــ"

وہ سنجیدہ ہو گیا۔ اور ایک مقام پہ ساکن ہو کر میری طرف دیکھنے لگا۔ تجربوں نے مجھے سکھا دیا ہے کہ ہماری سب سے بڑی ضرورت ملکی آزادی نہیں۔ بلکہ انفرادی آزادی ہے انفرادی آزادی جس کی بنیادیں دولت اور تعلیم پر ہیں۔ تعلیم ہمیں دنیا کو دھوکا دینا سکھا دیتی ہے۔ اور دولت سے ہم ہر چیز خرید سکتے ہیں۔ لیڈری بھی۔ دولت سے لیڈری خرید کر تعلیم سے اُس کو قائم رکھا جا سکتا ہے۔ ہم تینوں کے پاس تعلیم ہے لیکن ہم تینوں دولت سے محروم ہیں۔ پچھلے دنوں میں میں نے کافی تفکر کے بعد ایک اسکیم تیار کی ہے اس اسکیم کی کامیابی کے ساتھ ہم اپنی اقتصادی حالت کو مضبوط کر سکتے ہیں۔ مجھے اپنے دوستوں سے کامل توقع ہے کہ وہ اِس مہم میں میرا ساتھ دیں گے۔ اِس مہم کے سلسلے میں مجھے تم سے جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، وہ خاموشی ہے۔ پبلک کو ہماری کارگزاریوں کا علم نہیں ہونا چاہیئے۔"

میں نے کہا۔ "اشفاق! تمہاری سکیم کے متعلق کچھ جاننے سے پہلے میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم اس قتل پر پردہ کیوں ڈالنا چاہتے ہو؟"

اشفاق نے جواب دیا۔ "میں نے اِس اسکیم کو کامیاب بنانے کے لئے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی ہے۔ اس انجمن کا نام ہے ـــــ انجمن تنظیم فسادات ـــــ وہ شخص میرے معمولی قسم کے دوستوں میں سے تھا۔ میں اس کو اپنی انجمن کا ممبر بنانا چاہتا تھا۔ لیکن ہماری انجمن کے بہت سے رازوں کو جان لینے کے بعد اس نے میری مخالفت شروع کر دی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کا وجود انجمن کے مفاد کے خلاف تھا۔ میں نے اس کو آج کالبادیوی میں شریف سے قتل کروا دیا۔"

"اور اس جرم پر آمادہ ہونے کے صلے میں شریف کو پانچ روپے انعام دیتے، میرے فقرے میں طنز تھا۔

"شریف سارے دن کی سرتوڑ کوشش کے بعد زیادہ سے زیادہ ایک روپیہ کماتا ہے۔ صرف ایک لمحہ فضا میں چاقو ہلانے کی قیمت ۵ روپے کم سمجھتے ہو"

"قیمت کے کم یا زیادہ ہونے کا سوال نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک قتل کے پانچ روپے ادا کر کے جرموں کی اشاعت میں مدد دینا کہاں تک روا ہے؟"

"پچھلے مہینے میں نے ایک ہزار روپیہ وار فنڈ میں دیا تھا۔ ایسے بھی ہیں جو مجھ سے زیادہ رقم دینے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اس رقم سے اُن نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے جو جنگ کے میدان میں دوسرے نوجوانوں کو زندگی سے محروم کرنے کی کوشش کرتے ہیں"

میں کسی قدر کھسیانا ہو گیا۔

اُس نے کہا۔ "فضول گفتگو میں وقت ضائع کرنے کی بجائے ہمیں ایسے ذرائع پر غور کرنا چاہیئے جو "انجمن تنظیم فسادات" کو ارتقا کے زینے کی طرف لے جائیں ــــــ"

مجھے ہنسی آ گئی۔

"انجمن تنظیم فسادات! اور جب مجھے یاد آتا ہے کہ ۱۹۳۱ میں تم ہندو مسلم اتحاد کے کتنے بڑے حامی تھے! اُف تلوّن!"

"تلوّن نہیں تغیّر"

"تغیّر کبھی اوپر سے نیچے کو نہیں ہوتا۔ تغیّر نیچے سے اوپر کو ہوتا ہے"

"بہر کیف میں نے محسوس کیا کہ ــــــ"

"بہر کیف تم نے محسوس کیا کہ مسلمان ہندوؤں سے ہر لحاظ میں مختلف ہیں۔ اس لئے

ان میں اتحاد ناممکن ہے۔ اور اس لئے ہندو مسلم فساد"

"لوگ اس کشمکش کو ہندو مسلم فساد کہتے ہیں۔ یقیناً ایسے فسادوں کی ابتدا کسی مذہبی اکساہٹ سے ہوتی ہے بمثلاً کسی نئے مندر کے کلس کا کسی مسجد کے میناروں سے اونچا ہونا مسلمانوں کو بھڑکا دیتا ہے۔ یا مسجد کے سامنے سے ہندوؤں کا باجا بجاتے گذر جانا مسلمان برداشت نہیں کر سکتے۔ معمولی حالات میں ایسا بہت دفعہ دیکھا گیا ہے کہ کسی مسجد کے مینار شہر کے تمام مندروں کے کلسوں سے اونچے ہیں یا نماز کے وقت مسجد کے سامنے سے مسلمانوں کی ہزاروں باراتیں گذر جاتی ہیں۔ موجودہ فسادات کی وجہ ان جو بات سے زیادہ واضح ہے مسلم لیگ کے اقتدار اور پاکستان کی سکیم نے مسلمانوں کو ہندوؤں سے بہت دور لے جا کر پھینک دیا ہے۔ اتنی دور جہاں پہنچ کر غیرت دشمنی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ پھر کوئی معمولی واقعہ بہت بڑے فساد کا پیش خیمہ بن جاتا ہے لیکن جب ایک دفعہ فساد کا آغاز ہو چکتا ہے۔ تو وہ ہندو مسلم فساد نہیں رہتا۔ وہ مزدور کی جنگ سرمایہ دار کے خلاف افلاس کی جنگ تونگری کے خلاف اور مظلوموں کے خونی انتقام کی شکل اختیار کر لیتا ہے یہاں ہماری انجمن وجود میں آتی ہے۔ ہماری انجمن کا نام —— تنظیم فسادات —— ایک خفیہ انجمن کا کافی مضحکہ خیز نام ہے لیکن ہماری توجہ اپنے عظیم الشان مقاصد کی طرف اتنی مبذول رہتی ہے کہ ہم کو اپنی انجمن کے نام کی تضحیک کا موقع ہی نہیں ملتا۔ ہماری انجمن انقلابی بلکہ انتقامی اشتراکیت کی حامی ہے۔ ہماری انجمن مہاتما گاندھی کے عدم تشدد پر اعتماد نہیں رکھتی۔ ہماری انجمن منظم طریقے سے سرمایہ داروں کے کارخانوں، فرموں، اور دفتروں کو آگ لگا کر اور ڈاکہ زنیوں سے اپنے ممبروں کو اپنی مالی حالت سدھارنے کا موقع دیتی ہے۔ ہماری انجمن اپنے مقروض ممبروں کو ان کے قرض کے

کاغذات اور قرض کا تقاضا کرنے والوں سے ابدی چھٹکارا دلانے میں مدد کرتی ہے ہم دولت کی مساوی مساوی تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ دولت اِس دُنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ یہ طاقت انفرادی آزادی کی بنیاد ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ انفرادی آزادی کے اِس حصول کے لئے اُوپر بیان کئے ہوئے ذرائع اخلاقی معیار سے گرے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے ایسا ہو، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ اخلاقی معیار ہے کیا چیز؟ اچھا اور بُرا۔ جو چیز آج اچھی ہے کل بُری تھی، جو چیز آج بُری ہے وہ کل اچھی ہوگی۔ انسان کے اپنے بنائے ہوئے قانون جس کی ہزاروں شکلیں ہو سکتی ہیں۔ جس کی ہزاروں شکلیں ہونگی دولت کا غلط حصول جائز ہے اگر دولت کا صحیح استعمال آتا ہو۔ پچھلے مہینے میں نے وار فنڈ میں ایک ہزار روپیہ مسلم لیگ کو ڈیڑھ ہزار روپیہ چندہ بھیجا۔ کانگرس کو تین ہزار روپے چندے میں بھیجے۔ جے جے ہسپتال میں غریبوں کے لئے ایک آپریشن بلاک بنوا دیا جس کے ایک کونے میں مرمر کے ایک ٹکڑے پر میرا نام لکھا ہؤا ہے کئی سکول، کئی یتیم خانے اور کئی ایسے ادارے مجھ سے ماہوار چندہ حاصل کرتے ہیں۔ اور لوگوں کی نظروں میں میری آمدنی کے ذرائع میرے چند ہوٹل بمبئی میں دو بلڈنگیں اور بزنس ہے۔ میں شہر کی ممتاز ہستیوں میں شمار ہونے لگا ہوں۔ کوئی نہیں جانتا کہ یہ سب آمدنی مجھے ڈھاکے، احمد آباد، کانپور اور بمبئی کے فسادوں سے ہوئی ہے کسی کو نہیں معلوم کہ میں انجمن تنظیم فسادات کا پریذیڈنٹ ہوں۔"

میں اشفاق کے ان انکشافات پر دنگ رہ گیا۔

اُس نے میری طرف دیکھا "میں نے تمہارے اور رفیق کے سامنے اپنے تمام راز رکھ دیئے ہیں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ صرف تم ہو، صرف تم دو، جن کے سامنے میں

اپنے اتنے خطرناک راز رکھ سکتا تھا۔ مجھے مددگاروں کی ضرورت ہے۔ میں اکیلا اتنا بڑا کام نہیں کر سکتا۔ مجھے مختلف مقامات پر دوڑ دوڑ کر جانا پڑتا ہے۔ اب یہ کام ہم تینوں مل کر کریں گے۔"

وہ چپ ہو گیا

عتیق نے کہا" اشفاق! میں تمہاری مدد کے لئے تیار ہوں۔"

میں نے کہا" اور جب میرے نہایت گہرے دوستوں کو میری ضرورت ہے۔ تو میں کیسے انکار کر سکتا ہوں۔"

اشفاق خوشی سے اچھل پڑا۔

" عتیق! میں تم کو دلی بھیجوں گا۔ وہاں ہندو مسلم فساد کی اشد ضرورت ہے۔ اور تم ـــ" اس نے میری طرف انگلی اٹھاتے ہوئے کہا" تم حیدر آباد جاؤ گے۔ دکن کی دولت ہمارا انتظار کر رہی ہے۔"

اُس نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا۔

"آج تم کو تمہارے آنیوالے فرائض کا سب سے پہلا تجربہ ہوگا۔ آج رات کو ڈھائی بجے موتی بازار اور منگل واس مارکیٹ میں آگ لگائی جائے گی۔ آگ کے پردے میں تالے توڑے جائیں گے۔ پھر ہیرے جواہرات اور قیمتی کپڑے ہیں نے اس کیلئے پولیس کو پانچ ہزار روپے ادا کئے ہیں۔ پٹرول اور آدمی تیار ہیں۔ ہمیں بہت پہلے وہاں پہنچنا چاہئے۔ چلو، اٹھو۔"

عتیق کھڑا ہو گیا۔

میں نے کہا" میں تھکا ہوا ہوں۔ سونا چاہتا ہوں۔"

اشفاق نے کہا "مجھے تم پر بھروسہ ہے۔"

وہ چلے گئے۔

گھڑی میں آٹھ بجے تھے ۔۔۔ آٹھ ۔۔۔ ساڑھے آٹھ ۔۔۔ نو ۔۔۔ دس ۔۔۔ گیارہ ۔۔۔ بارہ ۔۔۔ مجھے نیند نہ آئی۔ آخر میں اٹھا۔ گورنر کے سکرٹری، پولس کمشنر، پریذیڈنسی مجسٹریٹ، میونسپل پریذیڈنٹ، سب کو فون پہ کہہ دیا کہ آج رات کو ڈھائی بجے موتی بازار اور منگل داس مارکیٹ کو آگ لگائی جائے گی۔

دوسرے دن صبح کو اخباروں میں یہ خبر دیکھی گئی۔ اشفاق اور عتیق کو ان کے گروہ کے ساتھ موتی بازار اور منگل داس مارکیٹ کو آگ لگانے سے پہلے گرفتار کر لیا گیا۔

آم ۔۔۔ چاقو ۔۔۔ مشرق کے آم اور مغرب کے چاقو ۔۔۔ مشرق کے چاقو اور مشرق کے آم ۔۔۔ اُف!

جہاد

اور جب اُس سانولے رنگ کی سیاہ ریشمیں فراک میں ملبوس، ٹیڑھی بونٹ والی، شوخ کرسچن لڑکی کے کھٹکھٹاتے ہوئے سینڈلوں کی آواز مدھم پڑ گئی۔ تو دروازہ پھر اپنی جگہ پہ آ گیا۔ وہ دیر تک تیچھے کی طرف سے اُس لڑکی کے نظر نواز مجسّمے کو دیکھتی رہی پھر اُس نے دیکھا کہ وہ دروازہ اپنے سیاہ حرفوں والے سفید بورڈ کے ساتھ پھر اُس کے سامنے موجود ہے۔ اُس نے ایک دفعہ پھر دبی آواز میں پڑھا۔

CONFESSION ROOM

وہ سمجھ گئی کہ وہ کرسچن لڑکی اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے آئی ہے۔

بورڈ اُس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ اُس کی آنکھوں میں خزاں کے بس ہوئے تجسس کی تڑپ میں ڈوبے ہوئے تلملا رہے تھے۔ اُس کے خزاں دیدہ چہرے میں بہار کی جاذبیت تھی۔ اُس کی بڑی بڑی دلکش آنکھوں کے نیچے اُس کی رنگ بھوڑی نے یکلخت ختم ہو کر اُس کو ایک جلد ہی ہتھیار ڈال دینے والی لڑکی بنا دیا تھا۔ اُس کی خاموشی اُس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔

سامنے دیوار پر حضرت عیسےٰ کے صلیب پر چڑھائے جانے کا واقعہ پینٹ کیا ہوا تھا شام کی زردی مائل کمزور روشنی میں، پاؤں تک بہ کر آیا ہوا گہرے سُرخ رنگ کا خون فضا کو ڈراؤنا بنا رہا تھا۔ جنگلے کے اندر ایک کرسی پر سیاہ لبادہ پہنے ہوئے پادری بیٹھا تھا اُس کے سامنے چاندی کے فریم میں انجیل رکھی ہوئی تھی۔ وہ پڑھ رہا تھا۔

پادری نے اپنا سر اوپر نہیں اٹھایا۔ وہ اعتراف کے وقت اپنا سر ہمیشہ نیچے رکھتا ہے اُس کی آنکھوں کو اعتراف کرنے والے کے سنجیدہ جذبات میں دخل انداز نہیں ہونا چاہیے

وہ حیران تھا کہ اعتراف کرنے والا آگے کیوں نہیں آتا۔

وہ حیران تھی کہ پادری اُس کو آگے کیوں نہیں بلاتا۔

پادری نے ایک لمحے کے لیے اپنا سر اُٹھایا۔ اور اپنے سامنے نسوانی حُسن کا ایک دلکش مجسمہ دیکھ کر بے پروائی سے نیچے کھینچ لیا۔ مذہب گناہوں کی طرف دعوت دینے والی چیزوں کو نفرت سے دیکھتا ہے۔ مذہب انسان کو انسان سے محبت کرنا سکھاتا ہے۔ اگر گناہوں کی طرف دعوت دینے والی چیز انسان ہو تو انسان کیا کرے لیکن پادری انسان نہیں وہ پادری ہے۔ وہ نفرت کے قابل چیزوں کو نفرت سے نہیں دیکھتا۔ اگر نفرت پیدا

کرنے والی چیزوں میں نفرت پیدا کرنے کی بے پناہ قوت موجود ہو۔ تو وہ اس نفرت کو چھپانا جانتا ہے۔

"بیٹی، آگے آجاؤ۔ یہاں مسیح کے پیرو اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں قلب میں صفائی ہو تو گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ارادوں میں استقلال ہو تو نجات مل جاتی ہے۔ مسیح کا مذہب قلب کو صفائی بخشتا ہے اور ارادوں میں استقلال پیدا کر کے نجات عطا کرتا ہے ——— آگے آجاؤ، بیٹی۔ گھٹنوں کے بل جھک جاؤ۔ سنجیدگی سے اپنے گناہوں کا اعتراف کرو۔ آسمانی باپ تم کو بخش دے گا۔"

لڑکی ہولے ہولے جنگلے کے پاس آئی۔ اور اپنا دایاں ہاتھ جنگلے پر رکھ کر کہنے لگی۔

"فادر، لوگ اپنے گناہ کیوں بخشوانا چاہتے ہیں؟"

پادری نے مجبور ہو کر ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا۔

"لڑکی، ایسے سوال تم اپنے ماں باپ سے پوچھ سکتی تھیں۔"

"میرے ماں باپ مسلمان ہیں۔ ایک گھنٹہ پہلے میں بھی مسلمان تھی۔ میں نے ابھی ابھی مسیحیت قبول کی ہے۔"

خوشی کی ایک لہر اس کے چہرے پر دوڑ گئی۔ وہ اپنی مصنوعی فضا سے غیر دانستہ طور پر باہر آگیا۔

"لڑکی، میں تم کو تمہاری حقیقت شناسی کے لئے مبارکباد دیتا ہوں۔ تم کھوٹا کھرا پہچان سکتی ہو۔ میں نے سمجھا تھا کہ تم بھی دوسری لڑکیوں جیسی ایک لڑکی ہوگی۔ یہ عیسائی لڑکیاں! انہوں نے گرجا کو بال روم بنا دیا ہے۔ نہایت دلفریب لباس پہن کر آتی ہیں۔ سروس کے وقت اپنے ساتھ والے بدمعاش لڑکے کے ہاتھ میں ناخن چبھو دیتی

ہیں۔ اور میرے سامنے آکر کہتی ہیں۔ پچھلے ہفتے ایک بدمعاش لڑکے نے میری عصمت پہ حملہ کر دیا۔ میں آئندہ کے لئے توبہ کرتی ہوں۔ اور باہر جا کر اُس لڑکے کے ساتھ سینما چلی جاتی ہیں۔ جس کو اُنہوں نے ناخن چبھویا تھا۔ تم اُن لڑکیوں میں سے نہیں ہو۔ عیسائی مذہب کو دوسرے مذہبوں پر ترجیح دینے والی لڑکی ایسی نہیں ہو سکتی۔ تم ایک عقلمند لڑکی ہو۔"

"شکریہ!"

"تم نے میری تقریر سنی تھی؟"

"ہاں"

"شاید زندگی میں پہلی بار میں ایسا اچھا بولا تھا۔ میں نے کہا تھا، ہم کسی مذہب کے خلاف شکایت نہیں رکھتے۔ ہم کسی مذہب کے بانی سے عداوت نہیں رکھتے۔ ہم سب مذہبوں کو سچا سمجھ کر ان کی قدر کرتے ہیں۔ ہم سب مذہبوں کے بانیوں کو بنی آدم کا خیر خواہ سمجھ کر اُن کا احترام کرتے ہیں۔ لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ نجات ڈھونڈنے والوں کو نجات حضرت مسیح کے مذہب میں مل سکتی ہے۔ کیونکہ سارے مذہبوں میں یہی ایک مذہب سچا ہے اور مذہبوں کے بانیوں میں مسیح ہی بنی آدم کا خیر خواہ ہے۔"

"آپ کی آواز جوان تھی"

"لیکن تم نے تقریر کے بعد مجھے تو نہیں کہا کہ تم عیسائی ہونا چاہتی ہو۔"

"میں خود کنورشن کمیٹی کے سامنے چلی گئی تھی۔"

"انہوں نے تم سے پوچھا تھا کہ تمہیں کس نے عیسائی بننے پر آمادہ کیا ہے؟"

"نہیں۔"

"اچھا، کنفیشن کے بعد میرے ساتھ چلنا۔ اور کمیٹی کے سامنے کہہ دینا کہ میری تقریر سے متاثر ہو کر عیسائی بنی ہو۔"

"کیوں؟"

"ورنہ مجھے کنورشن الاؤنس نہیں مل سکے گا۔"

"بزرگ باپ! آپ کو کنورشن الاؤنس نہیں ملنا چاہیئے۔"

"کیوں، بیٹی؟ کیوں نہیں ملنا چاہیئے؟"

"مجھے آپ کی تقریر نے عیسائی نہیں کیا۔"

پادری کے حواس منہ کے بل زمین پر گرے۔ پھر جب ایک عرصے کے بعد اُسکو ہوش آیا تو اُس نے محسوس کیا جیسے وہ کمرے میں ننگا بیٹھا ہے۔ اُس نے جلدی جلدی اپنی مصنوعی فضا کی چادر کے ٹکڑے جمع کئے اور اُس کو اوڑھ کر بیٹھ گیا۔

"لڑکی، بہت وقت ضائع ہو چکا ہے۔ اپنے گناہوں کا اعتراف کرو۔"

"محترم باپ، میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرنے نہیں آئی۔"

"اور؟"

"میں اِس کمرے کو دیکھنا چاہتی تھی۔ جس طرح پُرانی دلّی والے نئی دلّی کو دیکھنے جاتے ہیں۔"

"پھر بھی آخر تم سے کوئی گناہ تو سرزد ہوا ہو گا۔"

"میں اپنے گناہوں کو بخشوانا نہیں چاہتی۔"

"کیوں؟"

"میں ابھی اور گناہ کرنا چاہتی ہوں۔"

یہ منہ پھٹ لڑکی اب اُس کے لئے دلچسپی کا باعث ہوتی جارہی تھی۔ اُس کی حیرت انگیز باتیں بیسویں صدی کی باغی چیخیں معلوم ہونے لگی تھی۔ آج سے پہلے اس کمرے میں اُس نے پانی کے قطروں سے بجھتے ہوئے انگاروں کی سنسناہٹ کے علاوہ کچھ نہ سُنا تھا۔ آج پہلی دفعہ اس کمرے میں گناہوں کے اعترافوں کی مدھم، سنجیدہ اور شرمسار آوازوں کے درمیان ایک نئی آواز، ایک نیا گیت، ایک نئی سپرٹ نمودار ہوئی تھی۔ اس کے دماغ نے ایک خوشگوار تبدیلی محسوس کی۔

"لڑکی، تم مجھے گمراہ معلوم ہوتی ہو۔"

"لیکن اگر میں نے راستہ گم کر دیا ہے۔ تو مجھے راستہ نظر کیوں آتا ہے۔ مجھے اپنے سامنے دور تک ایک سیدھی، صاف اور ہموار شاہراہ نظر آتی ہے۔ کاش اِس شاہراہ پر آپ بھی میرے ساتھ ہوتے۔"

"لڑکی، شاعری کرنے کی بجائے تم مجھے یہ بتاؤ کہ علیسویت میں کونسی جاذبیت دیکھ کر عیسائی ہوئی ہو۔"

"کوئی بھی نہیں۔"

"یا پھر اسلام میں تم نے کونسی کمزوری محسوس کی۔"

"کوئی بھی نہیں۔"

"پھر بھی تمہارے مذہب بدلنے کا مطلب یہ تو ضرور ہے کہ تم علیسویت کو اسلام سے بہتر سمجھتی ہو۔"

"کوئی مذہب کسی مذہب سے بہتر نہیں۔ کوئی مذہب کسی مذہب سے بدتر نہیں۔ مذہب صرف مذہب ہے۔ مذہب صرف ایک ہے علیسویت علیسویت نہیں۔ مذہب ہے۔ اسلام

اسلام نہیں۔ مذہب ہے۔ ہندوئیت ہندوئیت نہیں۔ مذہب ہے۔ لامذہبیت لامذہبیت نہیں۔ مذہب ہے۔ توریت، انجیل، قرآن، گیتا مذہب کی کتاب کے مختلف باب ہیں، ابراہیم، گوتم، عیسےٰ اور محمدؐ ایک ہی فیملی کے مختلف افراد ہیں ــــــ"

"لڑکی تم مجھے سیدھے سادھے الفاظ میں بتاؤ کہ تم نے اپنا مذہب کیوں تبدیل کرلیا ہے؟"

"میں نے اپنا مذہب اس طرح بدل ڈالا ہے جس طرح ہولی وڈ کی ایک ایکٹرس ایک ہفتے کے بعد اپنے کپڑوں کو پرانا فیشن کہہ کر بدل ڈالتی ہے۔ سب مذہب بدلنے والوں کو کوئی ایسا ہی مقصد سامنے رکھ کر اپنا مذہب بدلنا چاہیئے۔ اخلاقی بلندی کے حصول کے لیئے مذہب بدلنے والا مذہب بدل کر اپنی شخصیت کی بنیادی کمزوری کا ثبوت دیتا ہے۔ بلند اخلاق کا انسان اپنے اخلاق کی بلندی کو قبیح سے قبیح حالات میں بھی برقرار رکھنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ جس میں یہ اہلیت نہیں۔ اُس کا اخلاق دوسرے مذہب کے دامن میں بھی محفوظ نہیں۔ ایک ماحول سے ڈر کر دوسرے ماحول میں پناہ لینا بزدلی ہے۔ حضرت محمدؐ نے مذہب قبول نہیں کیا تھا۔ مذہب پیدا کیا تھا۔ ہم کو مذہب قبول نہیں کرنا چاہیئے۔ مذہب پیدا کرنا چاہیئے۔ ہر شخص کو ایک جداگانہ مذہب درکار ہے۔ مذہب کی کتاب کا کوئی پیراگراف ہم ماں باپ سے مذہب اس طرح لیتے ہیں جس طرح کالج کا ہیڈ کلارک کالج کے لڑکوں سے فیس لیتا ہے۔ اور اُس کو تمام عمر اس طرح اپنے ساتھ رکھتے ہیں جس طرح ہمارا وجود ہمارے سائے کو ہمیشہ اپنے ساتھ لیئے پھرتا ہے۔ ہزاروں روپیہ وصول کرکے بھی کالج کا ہیڈ کلارک اپنے آپ کو رَدک فیلر نہیں سمجھتا۔ تمام عمر ساتھ رہ کر بھی سایہ ہم کو یہ نہیں کہتا کہ

میں تمہارا سایہ ہوں ــــ"

پادری جھنجھلا گیا: "او لڑکی خدا کے لئے تو مجھے یہ بتا کہ تو نے آج عیسائی مذہب کیوں قبول کیا ہے۔"

لڑکی نے کہا: "کیا آپ سچ مچ پوچھنا چاہتے ہیں کہ میں نے عیسائی مذہب کیوں قبول کیا ہے؟"

"ہاں، ہاں، ہاں۔"

"محترم باپ، میں نے عیسائی مذہب اس لئے قبول کیا ہے کہ میں گرجا کو بال روم سمجھ سکوں۔ دلفریب کپڑوں میں یہاں آیا کروں۔ سروس کے وقت اپنے ساتھ والے بدمعاش لڑکے کے ہاتھ میں ناخن چبھو دیا کروں۔ باہر جا کر اس کے ساتھ سیر کے لئے جاؤں۔ اُس کے ساتھ سینما دیکھوں۔ زندگی کی تمام لذتیں حاصل کروں۔ دنیا کے تمام گناہ کر ڈالوں! و تمہارے سامنے آ کر کبھی اپنے گناہوں کا اعتراف نہ کروں۔"

"کیا بکتی ہے تو، لڑکی!"

"سچ کہتی ہوں۔"

"تو جا سکتی ہے۔"

لڑکی تن کر کھڑی ہو گئی۔ اُس کا جوش غصّے میں تبدیل ہونے لگا۔

"تم میری توہین کر کے مجھے باہر نہیں نکال سکتے میں ایک معزز لڑکی ہوں۔"

"کیا معزز لڑکی کو ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔"

"شرم سب سے بڑی بے شرمی ہے۔ بے شرمی سب سے بڑی شرم ہے۔ عورت کے دل میں شرم پیدا کر کے آدمی نے عورت کو بغاوت کے ناقابل بنا دیا۔ اس وقت عورت کو دو

دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ شرم اور آدمی! عورت بغاوت پر آمادہ نظر آتی ہے۔ تو آدمی اُس کے جذبات سے اپیل کرتا ہے۔ عورت بیدار ہوتی ہے تو آدمی لوریوں سے پھر اس کی آنکھیں بند کر دیتا ہے۔ بے شرمی بیداری ہے۔ شرم آنکھیں بند کرتا ہے:

پادری نے سوچا کہ لڑکی کی تیز گفتگو باہر سنائی نہیں دینی چاہیئے۔

"خفا کیوں ہوتی ہو؟"

"خفا اس لئے ہوتی ہوں کہ جس مقصد کے لئے آئی تھی، پورا نہیں ہوا۔"

"کیا مقصد؟"

"آج سرد س کے وقت کوئی ناخن چبھونے کے لئے نہیں ملا۔ رات کس طرح گذریگی؟"

"بے شرم لڑکی! بے حیا لڑکی!"

"حوصلہ افزائی کا شکریہ!"

"یہ سب تیرے ماں باپ کا قصور ہے۔ تیری تربیت اچھی نہیں ہوئی۔"

"میرے ماں باپ کو مجھے تربیت دینے کا کیا حق تھا۔ میری تعلیم اور میری تربیت میرا معاملہ ہے۔ ماں باپ رہنمائی نہیں کرتے۔ ماحول رہنمائی کرتا ہے۔ ماں باپ ابو جہل پیدا کرتے ہیں۔ ماحول محمد پیدا کرتا ہے۔ وقت حرکت ہے۔ ایک وقت میں لاکھوں میل چلتا ہے ماں باپ لاکھوں میل فی سیکنڈ کی رفتار سے دوڑنے والی ٹرین پر سفر کرنے سے ڈرتے ہیں اور چپ چاپ بے حرکت ایک دقیانوسی چھکڑے پر بیٹھے رہتے ہیں۔ ناگہاں کوئی اُن کی حالت پر رحم کھانے والا پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اُس چھکڑے کو اٹھا کر لاکھوں میل فی سیکنڈ کی رفتار سے دوڑنے والی ٹرین کے نیچے پھینک دیتا ہے۔

"گستاخ لڑکی تو اپنے ماں باپ کے احسانات سے بھی انکار کرتی ہے:"

یکایک لڑکی کی نظر حضرت عیسےٰ کے کانٹوں کے تاج کی طرف چلی گئی۔ گہرے سرخ رنگ کا خون بہ کر پیروں کی طرف جا رہا تھا۔ اُس کی نظر بھی اس خون کے ساتھ بہ کر عیسےٰ کے پیروں تک پہنچ گئی۔ اور وہاں سے اس کے اپنے پیروں پر۔ اُس کے پیروں نے کہا استقلال، برداشت اور نرم مزاجی ایک بے پناہ قوت کے کنارے ہیں۔ وہ دروازے کی طرف چل دی۔ اُس نے دروازہ کھولنے کے لئے اپنے ہاتھ اٹھائے۔ اس کے ہاتھوں نے کہا۔ تمہارا کام ابھی ختم نہیں ہوا۔ وہ پھر جنگلے کی طرف لوٹی۔ پادری کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑی ہوگئی۔ نگاہیں انجیل پر گاڑدیں اور بولی۔

"بزرگ باپ میں اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا چاہتی ہوں۔ محترم باپ مجھ پر میرے ماں باپ کے احسانات بہت ہیں میرے ماں باپ کسی قدر بدقسمت واقع ہوئے ہیں سیب کے درخت کا بیج بوتے تھے۔ مولیاں پیدا ہوتی تھیں۔ ایک نہیں دو نہیں۔ اکٹھی چھ لڑکیاں اُن کے ہاں پیدا ہوئیں۔ اور صرف ایک لڑکا۔ میرے والد پی۔ ڈبلیو۔ ڈی میں جمعدار تھے۔ تنخواہ قلیل تھی۔ رشوت ناممکن تھی۔ میری بڑی دو بہنوں نے چوتھی جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ کیونکہ چوتھی جماعت تک تعلیم مفت ہوتی ہے۔ میں آٹھویں جماعت تک پہنچ گئی۔ کیونکہ میں نے چوتھی جماعت میں وظیفہ حاصل کر لیا تھا۔ میرا بھائی ساتویں جماعت میں سات دفعہ فیل ہوا۔ اس لئے سکول سے اٹھا لیا گیا۔ بھائی کے مقابلے میں ہمارے ساتھ بہت برا سلوک ہوتا تھا۔ بغاوت کا خیال نہیں آیا۔ کیونکہ متواتر برے سلوک نے ہم کو اپنی نظروں میں گرا دیا تھا۔ دو بڑی بہنوں اور مجھ کو چھوڑ کر میرے ماں باپ کو پہلے ہمارے بھائی کی شادی کا خیال آیا۔ سودا اس طرح قرار پایا کہ جو لڑکی ہمارے بھائی سے منسوب ہوگی۔ اُس کے دو بھائیوں کو میری دونوں بہنیں بیاہی جائیں گی۔ اِس طرح خرچ کم ہوا اور صرف سات سو

روپے قرض لینا پڑا جو بعد کو سود سے بارہ سو روپے ہو گیا۔ اور ہم کو مکان بیچ کر حساب بیباق کرنا پڑا۔ میری ایک بہن کا خاوند درزی تھا۔ آمدنی کم تھی۔ اپنے ماں باپ اور میری بہن سے لڑتا رہتا تھا۔ ایک دن موقعہ پا کر روپوش ہو گیا۔ ابھی تک لاپتہ ہے میری بہن واپس آ گئی۔ دوسری بہن کا خاوند ریلوے سٹیشن پر چپڑاسی تھا۔ ایک دفعہ رات کے وقت گارڈ روم میں ایک گارڈ کو جگانے گیا جگانے سے پہلے اُس کے لٹکتے ہوئے کوٹ میں سے تین روپے ساڑھے سات آنے نکالتا ہوا پکڑا گیا۔ یہ اُس کا چھٹا جرم تھا۔ اُسکو لمبی قید ہو گئی۔ میری دوسری بہن بھی واپس آ گئی۔——"

لیکن پادری تو وہاں ذاتی گناہوں کا اعتراف سننے کے لئے بیٹھا تھا۔ یہ لڑکی اپنے خاندان کے قصے کیوں لے بیٹھی ہے۔ قصے لیکن دلچسپ۔ شاید اِن قصوں کے بغیر اُس کو اپنے گناہوں کی داستان ادھوری معلوم ہوتی ہو۔ شاید اس سے آگے وہ اپنے ذاتی تلخ تجربے بیان کرنا شروع کر دے۔

"——میرا بھائی شادی کے چھ ماہ بعد یکایک پاگل ہو کر غائب ہو گیا۔ والدین نے اس کی بیوی کو واپس نہیں بھیجا کہ جانے لڑکا کب واپس آ جائے۔ اب ہم ایک پنجرے میں ایک جنس کے سات جانور تھے۔ گذارہ مشکل ہو گیا۔ تھوڑے عرصے کے بعد دوسری لڑکیوں کی شادیوں کا سوال بھی پیدا ہو گیا۔ دکان میں مال زیادہ تھا۔ گاہک کم تھے۔ والدین نے کوڑیوں کے دام مال نکالنا شروع کر دیا۔ میری منگنی ایک کانے نیم حکیم سے ہوئی میں اس وقت دسویں جماعت کی پرائیویٹ تیاری کر رہی تھی۔ ہولی نیم مشن کا وظیفہ خوار ایف، اے کلاس کا ایک عیسائی لڑکا پڑھائی میں میری مدد کیا کرتا تھا میں اُس کے ساتھ بھاگ گئی۔ ایک ہفتہ گذر گیا۔ اُس کو ملازمت نہ ملی۔ آٹھویں دن اُس نے اپنے بوٹ بیچکر

ہوٹل کے اخراجات ادا کیے۔ ہم دونوں کے پاؤں برابر تھے۔ وہ میرے سلیپر پہن کر ملازمت ڈھونڈنے کے لیے چلا گیا۔ اور پھر واپس نہیں آیا۔ ہوٹل میں ایک شریف طبع مسلمان کھانا کھانے کے لئے آیا کرتے تھے۔ میں نے انہیں اپنی طرف مائل کر لیا۔ وہ مجھے اپنے گھر لے گئے چار دن بڑے آرام سے گذرے۔ پانچویں دن رات کو دو بجے کے قریب اُن کی بیوی اور تین بچے ان کے سالے کے ساتھ بغیر اطلاع آ گئے۔ اُن کی بیوی نے اُن کو بہت بُرا بھلا کہا اُن کے سالے نے مجھے بہت مارا۔ وہ مجھے اپنے ایک دوست کے ہاں چھوڑ آئے ——"

وہ دونوں ہاتھوں سے جنگلے کو پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"—— فادر تھک گئی ہوں طبیعت اچھی نہیں۔ کھڑی ہو کر بات کروں گی۔ وہ شریف طبع مسلمان مجھے اپنے ایک دوست کے ہاں چھوڑ آیا۔ وہ انکم ٹیکس آفس میں ایک کلرک تھا نمازی، پرہیزگار، پارسا۔ مجھے بہن کہتا تھا۔ مجھ کو اِس شخص سے بے حد نفرت ہے۔ اُس کے ہاں سینما کے ایک مینجر آیا کرتے تھے۔ میری اُن سے آنکھ لڑ گئی۔ ایک دن موقعہ پا کر اُن کے مکان پر پہنچ گئی۔ ایک عرصہ تک اُن کے پاس رہی۔ زندگی سیر اور سینما میں خوب بسر ہوئی ایک دن آ کر کہنے لگے۔ میری منگنی ہو گئی ہے منگنی نہیں بزنس۔ لڑکی امیر ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔ آسانی سے فلم کمپنی کھول سکوں گا۔ تم میری چیف ایکٹریس ہو گی۔ اس وقت تمہارے ساتھ رہنے پر اعتراض کرتے ہیں۔ جدا ہونے پر مجبور ہوں۔ انہوں نے مجھے سفر کے لئے بہت سا روپیہ دیا اور میں یہاں آ گئی۔ ملازمت کے لئے ایک فلم کمپنی کے مالک سے ملنے کے لئے جا رہی تھی، ہوٹل میں ایک خوبصورت ماتمی لباس میں ملبوس عیسائی لڑکی سے ملاقات ہو گئی میں نے پوچھا کہاں جا رہی ہو؟ اُس نے کہا۔ گڈ فرائڈے ہے۔ گرجا جا رہی ہوں۔ میں نے کہا۔ مجھے تعجب ہے۔ اُس نے کہا تعجب کی کوئی بات نہیں۔ ایک دوست سے وعدہ ہے

میں نے سوچا۔ ایک ایکٹرلیس کی زندگی سے ایک عیسائی لڑکی کی زندگی بہتر ہے۔ ایکٹرلیس اپنے دل کی مالک ہے لیکن بدنام۔ عیسائی لڑکی اپنے دل کی مالک ہے اور معزز۔ ایکٹرلیس آزاد ہے لیکن اُس کی آزادی عورت کو آدمی کے پنجے سے نہیں چھڑا سکتی۔ کرسچن لڑکی آزاد ہے۔ اور اُس کی آزادی آدمی سے عورت پر صدیوں کی بے انصافی کا انتقام لے سکتی ہے۔ میں نے اُس لڑکی کو کہا۔ میں عیسائی ہونا چاہتی ہوں۔ وہ خوش ہو گئی اور مجھے یہاں لے آئی ——— بزرگ باپ، اتنی لمبی زندگی میں مجھ سے بہت کم گناہ ہو سکے ہیں۔ دعا کیجئے کہ خدا کا فرزند مجھے اور گناہ کرنے کی توفیق دے۔"

پادری تلملا اُٹھا

"لڑکی، بدچلن لڑکی، تو میری آنکھوں سے اوجھل ہو جا!"

"بزرگ باپ میرا مشن ابھی ختم نہیں ہوا۔ مجھے رنج ہے میں اب تک ایک اندھے کو چراغ دکھاتی رہی ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ اندھے ہیں اور میں چراغ ہوں۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"بزرگ باپ، میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا میں خوبصورت نہیں ہوں؟"

"ایک پادری کو عورت کے حُسن سے کوئی سروکار نہیں۔"

"یہ میرے حُسن کی توہین ہے۔ حسن کا نوکیلا تیر گھائل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ آپ فطرت کے قانون کو نہیں توڑ سکتے۔"

پادری خاموش ہو گیا۔ اُس نے اپنی نگاہیں انجیل میں ڈبو دیں۔ اُس کا دماغ

انجیل کی ورق گردانی کرنے لگا۔ اور انجیل کے کسی گمنام کونے میں اس کو مٹے ہوئے حرفوں کی ایک عبارت نظر آئی جس کا لوکیلا تیر گھائل کرنے کے لیے ہوتا ہے فطرت کے قانون کو توڑا نہیں جا سکتا۔ اُس نے کہا۔

"بیوقوف لڑکی، میری عمر پینتالیس سال کی ہے۔"

"اور میں بیس سال کی ہوں۔ صرف پچیس سال کا فرق۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ مجھ سے پچیس سال پہلے مر جائیں گے۔ مجھے منظور ہے۔"

"لڑکی! اس معاملے میں بہت کچھ سوچنے کی ضرورت ہے۔"

"محبت میں سوچنا حرام ہے۔"

"محبّت۔"

پادری کے کردار کی دیوار دھڑام سے زمین پر گری۔ اس کو اپنی خشک زندگی میں رنگینیوں کی ایک جھلک آتی ہوئی دکھائی دی۔ اور غالباً اُس نے ان رنگینیوں کے سیلاب کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش ترک کر دی۔

"لیکن لڑکی، شاید تو یہ نہیں جانتی کہ میں رومن کیتھلک مشن کا پادری ہوں۔ اور رومن کیتھلک مشن کے پادری شادی نہیں کر سکتے۔"

"شادی! شادی کے لیے آپ سے کس نے کہا ہے۔ میں نے کہا تھا میں آپ سے محبت کرنا چاہتی ہوں۔ کہاں محبت اور کہاں شادی! محبت کا مطلب عورت کی ٹھوکریں ہیں۔ شادی کا مطلب آدمی کی ٹھوکریں۔ میں ٹھوکریں مارنا چاہتی ہوں۔ ٹھوکریں کھانا نہیں چاہتی۔"

اچھے موقعے پر دروازہ کھل گیا۔ ایک لڑکا سیاہ سوٹ میں ملبوس اندر داخل ہوا۔

پادری نے محسوس کیا جیسے اُس کو کسی نے ایک خطرناک بھنور سے باہر کھینچ لیا ہے۔ اُس نے اطمینان کا ایک سانس لیا اور انجیل کے اوراق میں غرق ہو گیا۔

"کیوں؟ ولیم!"

"انکل، ایک گھنٹہ ہو گیا ہے، آخر آپ کیا کر رہے ہیں؟ لوگوں کو یہ بات پسند نہیں۔ انہوں نے مجھے دیکھنے کے لئے بھیجا ہے۔"

"ولیم، یہ ایک پاگل لڑکی ہے۔ بہت سمجھایا۔ باہر نہیں جاتی۔"

لڑکی نے مڑ کر لڑکے کی طرف دیکھا اور اُس پر بھیڑیئے کی طرح جھپٹی۔ اس کو کوٹ کے کالروں سے پکڑ کر زور سے جھنجھوڑا۔ اور دائیں دیوار کے ساتھ پوری طاقت سے پٹخ دیا۔ پھر اُس کی طرف بھاگی اور اس کو کونے میں جا کر دبوچ لیا۔ گھٹنوں کے نیچے پھینک کر دونوں ہاتھوں سے اُس کے گلے کو دبانا شروع کر دیا۔ پادری ولیم کو چھڑانے کے لئے بھاگا۔ لڑکی نے اپنے دائیں ہاتھ کی پشت سے اُس کے دائیں گال پہ ایک حواس باختہ کر دینے والا طمانچہ مارا۔ ولیم کے کراہنے کی آوازیں سن کر لوگ اندر آ گئے۔ اُنہوں نے اُن کو جدا جدا کر دیا۔

ایک دفعہ پھر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتے ہوئے لڑکی نے تیز تیز سانسوں میں سے کہا۔

"چھوڑ دو مجھے۔ مار ڈالنے دو اِس مردود کو۔ اس نے مجھے بہت پریشان کیا ہے، مجھے گھر سے بھگا کر لے آیا۔ ہوٹل میں چھوڑ کر غائب ہو گیا۔ میرے سلیپر بھی پہن گیا اور آج جبکہ میں اور اس کا چچا آپس میں محبت کر رہے تھے۔ رقابت سے جل کر ہماری محبت میں رخنہ ڈالنے کے لئے اندر آ گیا۔ اس کا چچا مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ لیکن میں اِس سے صرف

محبت کرنا چاہتی ہوں۔ اگر یہ ہمارے معاملے میں دخل دے گا تو میں اسے کچا کھا جاؤنگی چھوڑوں گی نہیں۔"

وہ پھر ولیم کی طرف جھپٹی۔ لیکن لوگوں نے اس کو روک لیا۔ ولیم بھاگ کر ایک کونے میں چھپ گیا۔

پادری نے کہا "غالباً میرے دوستوں کو مجھ سے اتفاق ہوگا کہ لڑکی پاگل ہے۔"

ولیم نے ایک آدمی کی آڑ لیتے ہوئے کہا "ہاجرہ، تو پاگل ہے۔ تو بالکل پاگل ہے پاگل لڑکی، کیا میں اتنا پاگل تھا کہ ایک پاگل لڑکی کے ساتھ زندگی گذارنے کے لئے تیار ہو جاتا۔ ہوٹل کے سات دن کے قیام میں تو نے مجھے گیارہ دفعہ مارا۔ بارھویں دفعہ مار کھانے سے پہلے میں یہاں بھاگ آیا۔ یہاں مجھے تم سے ایک بہتر لڑکی مل گئی۔ وہ تم سے زیادہ خوبصورت تو نہیں لیکن دولتمند ہے۔ مجھے ملازمت ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ ایک فیکٹری میں ٹائپسٹ ہے۔ وہ کماتی ہے میں کھاتا ہوں۔"

ہاجرہ نے کہا "ولیم آج پہلی دفعہ مجھے تیری بات پسند آئی ہے۔ میں اس لڑکی کی تعریف کرتی ہوں جس نے تجھ کو مجھ سے چھین کر اپنا بنا لیا ہے۔ کیا میں اُس لڑکی کو دیکھ سکتی ہوں۔"

"جین! جین! یہاں آؤ۔ ادھر آؤ۔"

اور جین بھیڑ کو چیرتی ہوئی آگے آ گئی۔ اور ولیم کے بازو میں بازو ڈال کر کھڑی ہو گئی۔

"ہاجرہ، یہ جین ہے۔ جین ہاجرہ سے ملو۔"

ہاجرہ نے غور سے جین کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اوہ! تم ہو!"

جین نے ملانے کے لئے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے کہا "اوہ تم ہو! ہم تو پہلے بھی مل چکے ہیں"

ہاجرہ پادری سے مخاطب ہو کر بولی "بزرگ باپ، یہ لڑکی مجھے ہوٹل میں ملی تھی میں نے اس کے گرجا جانے پر تعجب ظاہر کیا تو اس نے کہا تھا تعجب کی کوئی بات نہیں ایک دوست سے وعدہ ہے۔ فادر اس لڑکی نے مجھے عیسائی بنایا ہے۔ اس کو کنورشن الاؤنس ملنا چاہیئے"

پادری نے ہاجرہ کو حقارت سے دیکھا اور پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"حضرات، آپ بیکار ایک پاگل کی باتوں میں اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں"

اور وہ باہر چلا گیا۔

"پاگل!"

"پاگل!"

"پاگل!"

"پاگل!"

سب لوگ باہر چلے گئے۔

ہاجرہ اکیلی رہ گئی۔ خالی کمرے میں ہر طرف سکوت چھا گیا۔ شام کے بڑھتے ہوئے دھندلکوں نے اُس کے تنہائی کے احساس کو زیادہ بوجھل کر دیا۔ وہ دلجوئی کی تلاش میں حضرت عیسٰے کی تصویر کی طرف بڑھی۔ ہاتھوں میں سے ٹپک ٹپک کر زمین پر گرنے والے گہرے سُرخ رنگ کے خون نے اُس کے مجروح دل کو راحت پہنچائی۔ اُس نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ اٹھایا۔ حضرت عیسٰے کے پاؤں پر رکھ دیا۔ اور بولی۔

"تمہاری ماں کنواری تھی۔ میں بھی کنواری ہوں۔ تمہاری ماں نے تم کو پیدا کیا۔ کیا میں بھی کسی کو پیدا کروں گی؟"

وہ زہ کے درد سے نڈھال ہو کر زمین پر گر پڑی۔

اندھیرا

آنکھیں ٹیڑھی چڑھی، چہرہ سُرخ سُرخ، سانس تیز تیز، اُس نے محسوس کیا کہ زیادہ ٹہلنا اچھا نہیں۔ وہ سُوِچ بورڈ کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ ٹیبل لمپ کی کمزور نیلی روشنی کمرے کی سفید دیواروں پر امید اور بیم کی تصویریں بنا رہی تھی۔ اُس کی بے چین آنکھوں نے کلاک سے غمگساری کی درخواست کی۔

دو بج گئے۔

"وہ کیوں نہیں آئے؟"

اِس سوال کا جواب صرف آدھی رات کی خاموشی دے سکتی تھی۔

ٹِک ــــــ ٹِک کلاک کی ایک ٹِک دوسری ٹِک سے کتنی دور تھی۔ زندگی کا دریا کتنا بے کیف، کتنا ساکن، کتنا سست تھا، یکایک اُس نے محسوس کیا۔ جیسے زمین کی

گردش بند ہونیوالی ہے۔ وہ لرز گئی۔ اُس نے اضطراب کے ساتھ لیمپ بجھا دیا۔

اب وہاں اندھیرا تھا۔ اور وہ اندھیرے میں تھی۔

تاروں کی مدھم روشنی ڈرتی ڈرتی اندر آئی اور اُس سے کہنے لگی "تمہارے چہرے پر غم ہے یا غصّہ؟"

خاموش اور مضمحل وہ اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئی۔

لیکن نیند کہاں۔

اُس کا ماضی کتنا شاندار تھا جب وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ سکول جایا کرتی تھی۔ وہ حسین رنگوں کے طوفان میں سب سے زیادہ حسین موج معلوم ہوتی تھی۔ سڑک کے دونوں طرف طوفان میں بہہ جانے کی تمنا رکھنے والے ہزاروں دل آنکھیں بن کر رہ جاتے تھے انتخاب کی بے قرار نظریں سب سے زیادہ اُبھری ہوئی رنگین موج پر پڑتی تھیں۔ کامیابی کا یہ احساس اُس کو اور بھی زیادہ حسین بنا دیتا تھا۔ اور جب کبھی اُس کو اپنے حسن سے لذت اندوز ہونے کا خیال آتا تھا۔ تو وہ اپنی سہیلیوں سے مخاطب ہو کر کہا کرتی تھی "دیکھو تو یہ نامراد لڑکے کیسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہیں"۔ وہ یک زبان ہو کر کہتی تھیں: "تم ہو بھی تو دیکھنے کی چیز، ہمیں تو کوئی نہیں دیکھتا"۔ وہ مسرت آمیز شوخی سے کسی ایک لڑکی کے رخسار پر ہلکا سا طمانچہ مارتی تھی۔ اِس ہلکی سی ضرب نے کتنے دلوں کو زخمی کر دیا ہوگا، وہ بھی جانتی تھی۔

منوہر اپنے زخمی دل کو لے کر راستے پر کھڑا رہتا تھا۔ وہ میڈیکل کالج کا سٹوڈنٹ تھا۔ اُس کے مطالعہ کے کمرے کا ایک دروازہ سڑک پر کھلتا تھا۔ سکول جانیوالی لڑکیاں اُس کے دروازے کے آگے سے گزرتی تھیں۔ جب تک اِن لڑکیوں میں وہ اُس کو

نہیں وہ بجھ لیتا تھا اُس کو چین نہیں آتا تھا۔ وہ جبین غرور کے دلکش انداز کے ساتھ اُس کے سامنے سے گذر جاتی تھی۔ اُس دن اتفاق سے وہ اکیلی رہ گئی تھی۔ منوہر رندانہ جرأت پر آمادہ ہو گیا۔ اُس کے دوپٹے کے گھسٹتے ہوئے کونے پر پاؤں رکھ دیا۔ اُس کے سر نے پیچھے کی طرف ایک جھٹکا محسوس کیا۔ وہ انتہائی تندی کے ساتھ پلٹی۔ اپنے دائیں بازو کی پوری جنبش کے ساتھ منوہر کے منہ پر طمانچہ مارا۔

بیچارہ منوہر بدصورت تھا۔

اُس نے ایک تلخ احساس کے ساتھ بستر پر کروٹ لی۔ گویا وہ منوہر کو اپنے ماضی میں جگہ دینا نہیں چاہتی تھی۔

آخر وہ وقت بھی آگیا جب اُس کی سب سہیلیوں نے اُس کو مبارکباد دی۔ اُسکی منگنی شہر کے سب سے زیادہ امیر اور ٹینس کے سب سے خوبصورت کھلاڑی سے ہوگئی جب وہ ایم اے میں تھا۔ پنجاب نے اُس کو ٹینس کا چیمپین تسلیم کر لیا تھا۔ انگلستان میں بیرسٹری کے مطالعہ کے دنوں میں وہ امریکہ کے چیمپین سے معمولی مارجن سے ہارا تھا۔ انگلستان سے واپس آکر اُس نے اپنی توجہ پریکٹس کی بجائے ٹینس پر مرکوز کر دی۔ اب وہ ہندوستان میں بیرسٹر کی حیثیت سے نہیں ٹینس کے کھلاڑی کی حیثیت سے مشہور ہے۔

اِس نے اُس کو شادی سے پہلے صرف دو دفعہ دیکھا تھا۔ ایک دفعہ کالج ہال میں تقریر کرتے ہوئے۔ دوسری دفعہ پنجاب چیمپین شپ کے لئے فائنل میں ٹینس کھیلتے ہوئے منگنی کے بعد اُس کی ایک تصویر اِس کے پاس اور اِس کی تصویر اُس کے پاس پہنچ گئی۔ اِس وقت وہ کتنی خوش تھی۔ وہ اس کو پسند کرتا تھا۔ شادی سے پہلے اُس نے اِس کو چار خط شیکسپئیر کے آتشیں انداز میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد لکھے

تھے۔ وہ اب بھی اُس کے پاس کسی دراز میں پڑے ہیں۔ انہیں خطوں میں سے ایک خط اُس کو اس دن ملا تھا جس دن اُس نے منوہر کے منہ پہ طمانچہ مارا تھا۔

اِس خیال نے اُس کو تڑپا دیا۔ اُس نے بے قراری سے کروٹ بدلی۔ جسم میں درد محسوس ہوا۔ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

اُس نے آدھی رات کی خاموشی سے پھر پوچھا "وہ کیوں نہیں آئے؟"

اُس رات کی خاموشی جیسے اِس روزمرہ کے سوال سے تنگ آ گئی تھی۔

وہ اور بھی زیادہ بے قرار ہو گئی۔

"پھر وہ مجھے شادی سے پہلے محبت بھرے خط کیوں لکھتے تھے؟"

اِس کا جواب پریشانی تھی، مایوسی تھی۔ نامرادی تھی۔

وہ پھر اُٹھ کر ٹہلنے لگی۔

یکایک باہر سے کار کی آواز آئی۔ اُس نے ٹیبل لیمپ کا نیلا بلب پھر روشن کر دیا۔

دروازہ آہستہ سے کھلا۔ وہ اندر آ گئے۔

"تم سوئی نہیں ابھی تک؟"

"نیند نہیں آتی۔"

"نیند کی گولیاں جو تھیں تمہارے پاس۔"

"میں جاگنا چاہتی تھی۔"

"کیوں؟"

"تم جانتے ہو۔"

"لیکن میں نے تمہیں ہزار دفعہ کہا ہے کہ تم میرا انتظار نہ کیا کرو، تم بیمار ہو جاؤ گی۔"

"اور اگر میں بیمار ہو جاؤں تو؟"

"خیر بیمار تو سبھی ہوتے ہیں —— لیکن پھر بھی —— یہ ہے نا —— کہ تمہیں مثلاً کوئی ملیریا وليريا ہو جائے۔"

"پھر تمہیں کیا پروا؟"

"واہ! لوگ کہیں گے نہیں کہ فلاں بیرسٹر کی بیوی ہمیشہ بیمار رہتی ہے۔"

"بس اس سے زیادہ اور کچھ نہیں؟"

"اس سے آگے سب حماقت ہے۔"

وہ نڈھال ہو کر بستر پہ دراز ہو گئی۔ اُس کے جذبات میں ایک غیر معمولی شگاف ہو گیا۔ بیرسٹر کپڑے اُتار چکا تھا۔ اس نے محسوس کیا گفتگو ختم ہو گئی ہے۔ وہ بستر پر جانے سے پہلے ایک سگرٹ سے لطف اندوز ہونے کے لئے ایک آرام کرسی پہ دراز ہو گیا۔ اُس نے اپنی بیوی کے اور اپنے درمیان دھوئیں کا ایک پردہ قائم کر لیا۔

"سو گئیں؟"

"نہیں۔"

"چپ چپ کیوں ہو؟"

"سوچتی ہوں کہ تمہارا دیر تک انتظار کرنے سے اگر میں بیمار ہو جاؤں تو تم کو کچھ پروا نہیں لیکن اگر تم اتنی رات گئے تک روزانہ جاگ جاگ کر بیمار ہو جاؤ تو مجھے تکلیف کیوں ہوتی ہے؟"

"تم بیوقوف ہو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں صبح کو دس بجے اُٹھتا ہوں۔ عدالت میں سب سے بڑا کام یہ کرتا ہوں کہ ۳۰ منٹ تک اخبار پڑھتا ہوں۔ پھر نیند آجاتی ہے

آرام کرسی پر چار چار گھنٹہ سویا رہتا ہوں۔ چوبیس گھنٹے میں بارہ گھنٹے سونے والے کو بیماری کہاں؟"

"سنگدل ہو۔"

"یہ سنگدلی میری صحت کا سب سے بڑا راز ہے۔"

اطمینان نہیں۔ سکون نہیں۔ بیرسٹر کا ایک ایک لفظ اُس کے نازک دل میں تیر بن بن کر اتر رہا تھا۔ وہ رات کی تاریکی کی طرح خاموش ہو گئی۔ آنکھیں جذبات کی افتاد کے ساتھ ساتھ بوجھل ہونے لگیں۔ مُردے سے بھی بدتر۔

بیرسٹر کے دھوئیں کے پردے اور زیادہ گہرے ہو گئے۔

ایک دفعہ پھر اُس نے اُن پردوں میں سے جھانکنے کی کوشش کی۔

"ظہور تم مجھے پسند نہیں کرتے؟"

"کرتا ہوں۔"

"پھر یہ بے رُخی سی کیا ہے؟"

"کیا تمہارا مطلب ہے کہ میں تم سے ترشروئی سے پیش آتا ہوں؟"

"ترشرو تو تم کسی سے بھی نہیں ہوتے۔"

"ہونا بھی نہیں چاہئے۔"

"لیکن میں تو اس سے زیادہ کچھ اور چاہتی ہوں۔"

"کیا؟"

"محبت۔"

اس کے قہقہے سے اُس کے اردگرد کا دھواں رفع ہو گیا۔ اُس نے سگرٹ

کو ایش ٹرے میں بجھاتے ہوئے کہا:۔

"محبت؟ ــــــ وہ محبت جس نے قیس کو دیوانہ بنا دیا؟ وہ محبّت جس نے فرہاد کو تیشے سے ہلاک کر دیا؟ ــــــ وہ محبّت جو عاشق کو محبوب کے آستانے پر جبیں سائی کیلئے مجبور کرتی ہے؟ ــــــ وہ محبت جو زخمی دل کو آنکھ کے راستے سے خون بنا کر محبوب کے پیروں میں بکھیر دیتی ہے؟ ــــــ وہ محبّت جس کے کشتے اپنے آپ کو زندہ ہی زمین میں دفن کر لیتے ہیں۔ اور پھر اندر سے محبوب کو پکار پکار کر کہتے ہیں کہ آ اور میری تربت کو ہموار کر دے ــــــ نہیں نہیں۔ اِس قسم کی محبّت مجھ سے ناممکن ہے۔ میں تو زندگی کو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے سے بہت بہتر سمجھتا ہوں۔ ایک حکیم نے مجھے بتایا تھا، کہ سونا صحت کے لیۓ بہت اچھا ہے۔ اِس لیۓ اب میں عدالت میں بھی سویا رہتا ہوں۔ دیکھو میں تمہیں ایک ترکیب بتاتا ہوں۔ تمہیں اِس قسم کی محبت کی بہت تمنّا ہے۔ کل شام کو بن سنور کر دریچے میں سے جگر کو نظر آجانا پھر دیکھنا وہ حضرت سٹیج پر آکر کیا کیا اپنے بال نوچتے ہیں! کس کس طرح اپنے گریبان کی دھجّیاں اڑاتے ہیں! کیسے کیسے خون کے آنسو بہا کر ٹاٹاملوں کے قیمتی فرش کو گندہ کرتے ہیں! اور لوگ تو ایسے پاگلوں کو دیکھ کر خوش ہوا ہی کرتے ہیں ــــــ"

"لیکن جگر ایک اِنسان ہے تم بھی ایک اِنسان ہو پھر ــــــ"

"نہیں نہیں۔ نہیں۔ بہت فرق ہے۔"

"کیا؟"

"وہ ایک بدصورت انسان ہے میں ایک خوبصورت انسان ہوں۔"

"تو کیا ہوا!"

"بدصورت آدمی محبت کرتا ہے۔ خوبصورت آدمی کو محبت کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"یعنی تم مجھ سے محبت نہیں کرتے۔"

"کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟"

"ہاں۔"

"پھر مجھے تمہارے عشق کے گیت گانے کی کیا ضرورت ہے۔ اردو کی بیشتر شاعری عورت کے عشق میں نہیں کی جاتی۔ بلکہ عورت کو عشق پر آمادہ کرنے کے لیے کی جاتی ہے عورت میں عشق کے جذبات پہلے ہی موجود ہوتے ہیں۔ اِن جذبات کو ہیجان میں لانے کے لیے آدمی کا سب سے بڑا حربہ اُس کی قبول صورتی ہے۔ قبول صورتی سے عورت کے دل میں جو محبت بیدار ہو جاتی ہے، وہ زیادہ پائیدار، زیادہ لطیف اور زیادہ مسرّت انگیز ہوتی ہے۔ لیکن اگر آدمی قبول صورتی سے محروم ہو تو وہ عورت کو اپنی طرف مائل کرنے کیلئے ایک ذلیل حربے سے کام لیتا ہے۔ اُس کا نام خوشامد ہے۔ اور چونکہ قبول صورتی ایک نایاب چیز ہے۔ اور دنیا میں شاعروں کی تعداد غیر محدود۔ اِس لئے بیشتر شاعر بدصورت ہوتے ہیں۔ اور اُن کی شخصیت میں جتنی مقدار بدصورتی کی ہوتی ہے۔ اُن کی خوشامد میں اتنی ہی مقدار خوبصورتی کی پیدا ہو جاتی ہے۔ بدصورت شاعر خوبصورت خوشامد سے اپنی شخصی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور وہ اِس چیز میں جتنا زیادہ کامیاب ہوتا ہے۔ اُتنا ہی اُسے بڑا شاعر تصوّر کیا جاتا ہے۔ اس نوع کے شاعروں میں سے اکثر ایسے بھی ہوتے ہیں۔ جنہوں نے اپنی تمام عمر میں کسی محبوب کی شکل نہیں دیکھی ہوتی۔ وہ میرؔ، غالبؔ، یا داغؔ کے دیوانوں سے اُن کے محبوبوں کو کھینچ نکالتے ہیں۔ اور اپنے تخیل کے مندر میں بٹھا کر اُس کی پوجا شروع کر دیتے ہیں۔ میں بھی شروع شروع میں اِس قسم

کی نقب زنی پر مائل تھا۔ اور ایک محبوب کو اُس کی چلمنوں میں سے باہر کھینچ لانے میں کامیاب بھی ہوگیا تھا۔ میں نے اُس کو باہر اپنے تخیّل کی دھوپ میں رکھ دیا۔ لیکن اُس کی طرف انتہائی غور سے دیکھنے کے بعد بھی میں پہچان نہ سکا۔ کہ وہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ تنگ آکر میں نے اُس کو پھر کاغذوں کے پلندوں کے نیچے دبا دیا۔ اُس کے تھوڑے عرصے بعد مجھے معلوم ہوگیا کہ عورتوں کو مسخر کرنے کے آرٹ میں میں آدمیوں کی پہلی قسم سے تعلق رکھتا ہوں۔ اِس انکشاف نے مجھے جذبات کے ہائیک کے خلاف انجکشن دے دیا۔ اور میں شاعری سے بالاتر ہو گیا میں خوش ہوں"

"لیکن شاید تمہیں یاد نہیں، کہ شادی سے پہلے تم نے بھی مجھے چار انتہائی جذباتی خط لکھے ہیں۔"

"اُس وقت تمہاری منگنی میرے ساتھ ہو چکی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ تمہاری شادی بہر کیف مجھ سے ہو ہی جائے گی۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ منگنی سے پہلے تم مجھے دو دفعہ دیکھ بھی چکی ہو۔ اور میرا جادو تم پر اپنا کام کر چکا ہو گا، اِس صورت میں مجھے محبّت کے خطوط لکھنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ جہاں تک محبّت کا تعلق ہے۔ میں تم سے اتنی محبت نہیں کرتا تھا جتنی محبت میڈیکل کالج کے اُس لڑکے کو تم سے تھی، جس کا نام منوہر تھا۔ اور جس کو اپنی گہری محبّت کے اظہار کے قصور پر تم نے ایک طمانچہ مارا تھا۔ دراصل ان دنوں مجھے بی۔ اے کا امتحان دینا تھا۔ اور شیکسپئر کو یاد کرنے کا بہترین طریقہ شیکسپئر کے سٹائل میں لکھنے کی مشق کرنا ہے۔ جب میں نے اُن خطوط کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اُس وقت مجھے اُن خطوط کے لئے تم سے بہتر مخاطب نہیں ملا۔ سکولوں اور کالجوں کے لڑکے اکثر ایسا کرتے ہیں۔ بیکاری کے بادل چھائے ہوئے ہوں۔ تو گندم کے بجائے

سر کو چڑھ جاتے ہیں۔ اِس مجنونانہ کیفیت میں کئی کئی غزلیں ہو جاتی ہیں۔ اور اگر دائیں طرف کے ہمسائے کی لڑکی پاس سے گذرتی ہوئی دبی زبان میں کہہ دے۔ تم بہت اچھا لکھتے ہو، تو کہتے ہیں۔ تمہارے عشق نے سب کچھ سکھا دیا۔ تھوڑی دیر بعد بائیں طرف کے ہمسائے کی لڑکی پاس سے گذرتی ہوئی آہستہ سے کہتی ہے۔ تمہارے شعر وحید آفریں ہیں۔ تو جواب دیتے ہیں۔ تمہارے حُسن سے متاثر ہو کر لکھے گئے ہیں۔ میں نے بھی وہ خطوط . . . . . کے نام، کے عنوان سے ایک میگزین میں شائع کرا دئے تھے۔ اُس کے تھوڑے عرصے کے بعد مجھ سے میری کلاس کی چار لڑکیوں نے یکے بعد دیگرے علیحدگی میں پوچھا۔ وہ خطوط تم نے کس کے نام لکھے ہیں، میں نے ہر ایک کو جواب دیا۔ تمہارے نام۔"

"یعنی تم سے بہت لڑکیاں محبت کرتی تھیں؟"

"ہاں۔"

"حسین لڑکیاں؟"

"ہاں۔"

"پھر تم نے میرے ساتھ شادی کرنا ضروری کیوں سمجھا؟"

تمہاری شادی کی شرطوں میں سب سے زیادہ دلکش شرط یہ تھی کہ تمہارے والد کی وفات کے بعد تمہارا خاوند اُس کی جائداد کا مالک ہوگا۔ کیونکہ تم اپنے ماں باپ کی واحد وارث ہو۔"

"بڑے خود غرض ہو۔"

"کیا تمہارا مطلب ہے کہ اگر میں تمہارے ساتھ تمہاری دولت کی وجہ سے شادی نہ کرتا بلکہ تمہارے حسن سے متاثر ہو کر تم کو اپنا بنانے کی کوشش کرتا، تو یہ خود غرضی نہ ہوتی؟ خود غرضی

انسانی زندگی کا ایک نہایت ضروری جزو ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ جس کو انسانی کردار کی خوبیاں کہتے ہیں وہ انسانی کوشش کی گمراہیاں ہیں۔ غیر فطری تصنع کا وہ ارتقا جس کو انسان بڑے فخر کے ساتھ تہذیب کہتا ہے۔ انسان کو اپنے حقیقی راستے سے ہٹانے کی غلط کوشش ہے۔ انسان ایک جانور ہے۔ بالکل دوسرے جانوروں کی طرح لڑنے والا۔ دوسروں کی چیزیں چھین کر کھا جانے والا، کمزور جانداروں کو موقعہ پا کر ہڑپ کر لینے والا۔ اپنے رقیب کی ہستی کو نابود کرنے کی تمنا رکھنے والا۔ اسی بنیادی کشمکش کا نام زندگی ہے۔ ایسے بھی پیدا ہوئے جن کو زندگی کے سمندر میں طوفان کی یہ ہنگامہ خیزیاں پسند نہ آئیں۔ وہ اپنے آپ کو بنی آدم کا بے غرض خیر خواہ کہتے تھے۔ انہوں نے موجوں میں جمود کی کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ شیر بہت دیر تک الیکٹرک ہنٹر کے نیچے اپنی خو سے دست بردار رہا لیکن زمانے نے ہنٹر کو کمزور کر دیا۔ اور انسانیت اپنی فطرت پر لوٹ آئی۔ انسان خود غرض ہے اور خود غرضی کا یہ احساس اُس کو زندہ رہنے کے لئے ایک بے پناہ قوت سے آراستہ رکھتا ہے۔"

"تم زندہ رہو چاہے کوئی دوسرا تمہارے پاس تڑپ تڑپ کر مر جائے۔"

"انگلستان کے قیام کے دوران میں مجھے بہت سی کلبوں کا تجربہ ہوا۔ ان کلبوں میں سب سے زیادہ دلچسپ وہ کلب تھی۔ جو جذبات کے خلاف جہاد کی تلقین کرتی تھی۔ اُس کلب کی بنیاد ۱۸۳۹ء میں کیلیفورنیا کے ایک شخص نے ڈالی تھی۔ وہ اب بھی زندہ ہے۔ اُس کی عمر ۱۲۱ سال ہے۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے تڑپ تڑپ کر مرنے والوں کی تفصیل یہ ہے۔ اُن کی ۱۱ بیویاں، ۹ بیٹے، ۱۴ بیٹیاں پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں ۵۴۔ اُن کی آگے چلی ہوئی شاخیں ۹۰ وہ بڑے فخر کے ساتھ کہتا ہے۔ کہ سوائے ایک منحوس

موقع کے ان تمام عزیزوں کی موتوں پر اُس نے کبھی اپنے قیمتی آنسو ضائع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور وہ منحوس موقع جبکہ اُس کے بے بہا آنسوؤں کے دو قطرے خاک میں مل کر ضائع ہو گئے، واقعی ایک بڑا جانگداز واقعہ تھا۔ اُس کی پیاری لومڑی جو تقریباً چھ سال سے اُس کے غموں اور خوشیوں میں شریک تھی، مر گئی تھی۔ وہ بتاتا ہے کہ اُس کی اتنی لمبی عمر اور ایسی شاندار صحت کا راز اُس کی جذبات پر فتحیابی میں ہے۔ میں اُس کلب کا ممبر ہوں۔"

"یعنی سنگدل اور باقاعدگی کے ساتھ سنگدل!"

اُس کی آواز گرتی جا رہی ہے، اُس کا دل ڈوبتا جا رہا ہے۔ اُس کی آنکھیں چڑھتی جا رہی ہیں۔ اُس کا چہرہ زیادہ تمتاتا جا رہا ہے۔ اُس کے بال زیادہ پریشان ہوتے جا رہے ہیں۔ اب وہ بار بار کروٹیں لینے سے بھی تنگ آ گئی ہے۔ چارپائی کے اس طرف کے کنارے پر اپنی دائیں پسلی کے بل ساکن پڑی ہے۔ بائیں ہاتھ کی مٹھی بستر پر اُس کی ٹھوڑی کو اٹھائے ہوئے ہے۔ اِس طرح کہ اُس کے دانت بھنچ گئے ہیں۔ اور وہ بولتے ہوئے بھی اپنے بھنچے ہوئے دانتوں کو کھولنے کی پروا نہیں کرتی۔ ایک معمولی سی ٹھوکر اُس کو چارپائی سے نیچے گرا سکتی ہے۔ ایک بے جان مجسمہ!

اُس کے انداز میں بے پروائی ہے۔ وہ آرام کرسی کے بازوؤں کو کھول کر اُس پر اپنی ٹانگیں پھیلائے ہوئے اور دونوں ہاتھوں سے ٹیک کے اوپر والے کنارے کو پکڑے ہوئے بیٹھا ہے۔ اُس کی آنکھوں میں نیند کا خمار ہے۔

"آخر یہ رحمدلی ہے کیا؟ دل کے پردوں کا اِس قدر نازک ہونا کہ اگر اُس پر شبنم کا ایک چھوٹا سا قطرہ بھی گر جائے تو وہ جھک کر اپنی کمزوری کا ثبوت بہم پہنچائیں۔ اندازہ

لگایا جا سکتا ہے کہ ایسے ناپائدار پردے کسی بڑے صدمے کے بھاری قدموں کو کیونکر برداشت کر سکتے ہیں۔ اور اگر اِنسان میں اپنے ماحول کا مقابلہ کرنے کی ہمت موجود نہیں۔ تو زمین کے لیئے اُس منحوس ہستی کا بوجھ شرم کا باعث ہے یا نہیں؟ صدموں سے بچنے کا علاج صدموں کے لئے تیار رہنا ہے۔ صدموں کے لئے تیار رہنے والے موت سے نفرت کرتے ہیں اور زندگی سے محبت رکھتے ہیں۔"

"ایسے بھی تو ہیں جو موت سے محبت رکھتے ہیں۔"

"اُن کو میری کلب میں شامل ہو جانا چاہیئے۔"

"ظہور! تمہاری باتیں سب کر دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہی ہیں۔"

"آج شام کو مسز گھنشام نے بھی یہی کہا تھا۔ سب عورتیں مجھے یہی کہتی ہیں۔ میں نے اُن کو بہت دفعہ سمجھایا ہے کہ دل کے ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہو سکتے۔ اگر دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں تو خون اِدھر اُدھر بکھر جائے اور اِنسان مر جائے۔"

"مسز گھنشام!"

"وہ جو کل دوپہر کے وقت یہاں آئی تھی۔"

"تو آج کی شام اُس کے ساتھ گذری؟"

"ہاں وہ کل یہی کہنے آئی تھی۔ وہ میرے ساتھ ٹینس کھیلنے کے لئے بے قرار تھی ٹینس کے بعد کھانا اور کھانے کے بعد سینما میں دیر ہو گئی۔"

"لیکن تم تو کل مُنہ پر یہی کہہ رہے تھے کہ میں اُس سے زیادہ خوبصورت ہوں۔"

"تم! تم بہت خوبصورت ہو۔ اُن میں سے کوئی بھی تم سے زیادہ حسین نہیں۔ مسز گھنشام مس طاہرہ طیب جی، مسز غفار کی چھوٹی بہن، مسز پرتاپ تیواری، پنجاب نیشنل بنک

سٹینو ٹائپسٹ مس روبی، پرنسپل آنند ساگر کی دوسری شادی کی بیوی، ہمارے صوبے کے پرائم منسٹر کی نئی آیا۔ یہ سب حُسن میں تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔"

اُس میں جیسے جان سی پڑ گئی۔ وہ ایک مضمحل جُنبش کے ساتھ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُس کے لبوں پر ایک کمزور مسرت کا تبسّم پیدا ہوا۔ اُس نے ایک لمحہ تک گڑی ہوئی نظروں کے ساتھ اپنے خاوند پر جذباتی تبدیلیوں کا مطالعہ کرنے کی کوشش کی۔ اُس کو حیرت انگیز مایوسی کا سامنا ہوا۔ وہ اونگھ رہا تھا۔

اُس نے اُس کو جگانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "کیا میں حسین ہوں؟"

وہ چونک اُٹھا۔ اور لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولا "ہیں؟ ہاں"

"میں پوچھتی ہوں کیا میں حسین ہوں؟"

"ہاں! ہاں!"

"مجھے کیسے معلوم ہو کہ تم سچ کہتے ہو؟"

"آدھا گھنٹہ ہوا، میں نیند سے پریشان ہوں اور پھر بھی تم سے باتیں کر رہا ہوں۔ کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ تم خوبصورت ہو؟"

"ایسی خوبصورتی کو آگ لگے جو تم پر اتنا اثر بھی نہ کر سکے کہ تمہاری نیند اُڑ جائے اور میں تم سے ...."

"ہیں؟ کیا کہا؟ نیند اُڑ جائے ——— نہ نہ بھئی ——— دیکھنا کہیں کوئی مجھ پر ایسا جادو نہ کر دینا کہ میری نیند میرے پاس آنے کا نام نہ لے ——— نیند مجھے بہت پیاری ہے ——— وہ بیچارے لالہ سرِ نند اس بیدی نیند کی گولیوں کے بغیر ایک منٹ آرام نہیں کر سکتے۔ کہتے تھے پہلے ایک گولی سے نیند آجاتی تھی۔ کل رات دس

گولیوں سے بھی اچھی طرح سو نہیں سکے۔ اب ڈاکٹر کہتا ہے بارہ کر دو۔ اور میں جب چاہتا ہوں جہاں چاہتا ہوں، سو جاتا ہوں، دفتر میں، آفس سے عدالت جاتے ہوئے کار میں ہیں منٹ کے بعد اخبار آنکھوں پر رکھ کر بار روم میں۔ ایک دفعہ ملزم کے بیان ہو رہے تھے، میں عدالت کے کمرے میں کرسی پر سو گیا۔ وہ میرا پہلا اور آخری مقدمہ تھا۔ آج رات کو مسز گھنشام کے ساتھ سینما میں تمام وقت سویا رہا۔"

"کیا تم میرے حسین ہونے کے ثبوت دے رہے ہو؟"

"کہا تو ہے کہ مجھ جیسا سونے والا اگر انتہائی صبر کے ساتھ تمہارے ساتھ آدھا گھنٹہ باتیں کرتا رہے تو یقیناً اس کا یہ مطلب ہے کہ تم حسین ہو۔"

"لیکن ایسی خوش قسمت عورتیں بھی تو ہیں، جن کے ساتھ تم آدھی آدھی رات تک رہتے ہو۔ کیا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ مجھ سے زیادہ حسین ہیں؟"

"کون عورتیں؟"

"وہی جن کے تم نے ابھی نام لئے۔"

"ہاں —— وہ —— وہ —— دیکھو نا —— بھئی یہ تمہارا کہنا بجا نہیں کہ میں اُن کے ساتھ رہتا ہوں۔ وہ مجھے اپنے ساتھ رکھتی ہیں۔"

"اور میں بھی تمہیں جبراً روکے ہوئے ہوں۔ آج سے پہلے تو تم نے مجھ سے کبھی اتنی باتیں نہیں کیں۔"

"اوہو —— مشکل ہے! —— میری منطق فیل ہو گئی —— میں اپنی شکست کا اعتراف کرتا ہوں۔"

ایک غیر معمولی صدمے نے کمزور عورت کا کمزور دل پاش پاش کر کے رکھ دیا۔

روح فرسا خاموشی ——— نیلا مائتی ٹیبل لمپ ——— قیامت کے وقفوں کے ساتھ ٹک ٹک۔

وہ لیٹ گئی۔

وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اوہ مجھے یاد آیا۔ کل پکنک پر جانا ہے۔ اب میں زیادہ نہیں ٹھہر سکتا میں سوتا ہوں"

وہ دوسرے کمرے میں جانے کے لئے دروازہ تک پہنچ گیا۔

"ظہور!"

وہ دروازے کے پاس ہی پلٹ کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہارا انتظار کر رہی تھی؟"

"تم نے ابھی ابھی یہی کہا تھا"

"نہیں"

"پھر؟"

"مجھے بخار ہے۔ ۱۰۴"

"کیا تم سچ کہتی ہو کہ تم میرا انتظار نہیں کیا کرتیں؟"

"ہاں"

"کیا تم سچ کہتی ہو کہ تمکو بخار ہے۔ اور ۱۰۴ درجہ کا بخار ہے؟"

"ہاں"

"میں خوش ہوں، میری منطق فیل نہیں ہوئی، مجھے نہیں شکست کا اعتراف تم کو کرنا ہوگا"

"میں سونا چاہتی ہوں۔"

"کل صبح میں اپنی کلب کے پریذیڈنٹ کو ٹیلیگرام کروں گا کہ ہماری کلب میں ایک نئے ممبر کا اضافہ ہوا ہے۔"

"میں تھکی ہوئی ہوں۔"

"تم بہت طاقتور کردار کی عورت ہو۔"

"جاؤ! ظہور!"

وہ چلا گیا۔

اس کو ایسا معلوم ہوا جیسے اس کے بخار میں ایک غیر محدود اضافہ ہو گیا ہے۔ بے پناہ بے قراری کے اِس عالم نے ایک لمحہ اُس کو بالکل ساکن رکھا۔ آخر وہ اُٹھی۔ آہستہ آہستہ سوئچ بورڈ کے پاس گئی لمپ بجھا دیا اور اپنی بے قراریوں کو، پریشانیوں کو، تلملاہٹوں کو بے پناہ اندھیرے میں دفن کر دیا۔

ٹِک۔ ٹِک۔ ٹِک۔ ٹِک۔ ٹِک۔

ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ فرہاد دودھ کی نہر نکالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

دودھ کی نہر! سورج کی شعاع! ایک! دو! تین! چار! سات ہزار! بے شمار شعاعیں! صبح! صبح کو بیرسٹر الارم کے ساتھ اُٹھا اور ڈریسنگ گاؤن پہنے کمرے میں داخل ہوا۔

اِس طرف کے کونے میں پانی کی صراحی کے دو گز کے فاصلہ پر اس کی بیوی کی لاش پڑی تھی۔

وہ دروازے کے پاس کھڑا ہو کر ایک لمحہ اس کو دیکھتا رہا۔

"احمد!" احمد اُس کا نوکر تھا۔

"جی۔" احمد اندر آگیا۔

"اُن کو اٹھا کر بستر پر لٹادو۔"

احمد لاش کی طرف بھاگ کر گیا۔" او ــــ خدایا ــــ یہ کیا۔ یہ تو سرکار ہا۔"

"ہاں! ہاں! ہاں! ٹھیک ہے۔ اِن کو بستر پر لٹادو۔"

بیرسٹر فون پر گیا ــــ ۱۵۰۴۲ ــــ انگلی کچھ آہستہ کام کرتی تھی۔

"کون ــــ ہاں دیکھو ــــ میں بیرسٹر ظہور ــــ دیکھو مس طاہرہ مجھے پکنک کے لئے کچھ دیر ہوجائے گی ــــ نہیں! ہے تو معمولی بات ــــ اوہ نہیں۔ بہانہ نہیں۔ میں آؤں گا ضرور۔ لیکن ذرا ــــ سُنو تو سہی ــــ میں مجبور ہوں ــــ میری بیوی کا انتقال ہوگیا ہے۔ اور اس دُنیا میں وہی ایک عورت تھی جس سے میں محبت کرتا تھا ــــ میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے آج تک اِس عورت کے سوا اور کسی سے محبت نہیں کی ــــ او۔ کے۔"

بادلوں کے پیچھے

"مسٹر پنسارے!"

مسٹر پنسارے اصغر کا انچارج ہے۔ ادھیڑ عمر کے دروازے پر سیدھا سادہ شریف وضع پنسارے سوا روپے کی پتلی سفید دھوتی میں، ساڑھے تین آنے کی سیاہ گاندھی کیپ میں، پانچ آنے گز کے ٹھنڈے دھاریدار کوٹ میں، اصغر کے شاندار سوٹ کے سامنے ایک چپڑاسی معلوم ہوتا۔

پنجاب یونیورسٹی کا گریجوایٹ، ریزرو بنک آف انڈیا کا نیا کلرک، اصغر، شریر، بدتمیز، منہ پھٹ، اس مکروہ ملازمت کو صرف اس لئے پسند کرتا ہے کہ ریزرو بنک آف انڈیا بمبئی میں ہے۔

"مسٹر پنسارے، آپ جانتے ہیں، ہماری طرف پنساری کس کو کہتے ہیں؟ پنساری

. . . . . . پنساری ایک دکاندار ہوتا ہے۔ جو ہینگ، گندہ بروزہ، نیلہ تھوتھا پھٹکڑی بیچتا ہے۔"

"اچھا بھئی اب کام کرو۔"

پونے چھ بج گئے ہیں۔ دفتر میں پنسارے اور صغر کے سوا اور کوئی نہیں، اصغر اپنا کام ختم کئے بغیر نہیں جا سکتا۔ اصغر کو کوئی اعتراض نہیں۔ وہ اگر بنک میں نہ بیٹھتا تو کسی ریسٹورنٹ میں بیٹھا ہوتا۔ وہ بیٹھا ہے اور معلوم نہیں کب تک بیٹھا رہے گا۔ کیونکہ اگر وہ یہاں آدھی رات تک بیٹھا رہے تو پنسارے کو بھی اس کے ساتھ بیٹھنا پڑے گا۔

"اور آپ نے مجھے بمبئی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"

"وہ ٹوٹل ختم کیا تم نے؟"

"پانچ منٹ میں ختم ہو جائیگا۔"

"کتنا کیا ہے؟"

"صرف سات صفحے باقی رہتے ہیں۔"

"میں جانتا تھا تم کچھ نہیں کرو گے۔ تم کچھ نہیں کرنا چاہتے۔ صبح کے دس بجے سے لے کر شام کے ساڑھے چار بجے تک ٹوٹل کے صرف نو صفحے! اور جب میں نے تمہیں تین بجے پوچھا تھا تو تم نے کہا تھا۔ پانچ منٹ میں ختم ہو جائیگا۔"

"پانچ منٹ میں ختم ہو جائے گا مسٹر پنسارے۔"

پنسارے غصے کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ عینک اتار کر کیس میں رکھ لی۔ چھتری بغل میں دبائی۔ اور کاغذوں کا ایک پلندہ اٹھاتے ہوئے بولا۔

"لاؤ مجھے دیدو وہ ٹوٹل میں گھر پر کر لوں گا۔"

"آپ ناراض ہو گئے ہمسٹر پنسارے" میرا دل چاہتا ہے میں بھی اپنے آپ پر ناراض ہو جاؤں بہت احسان فراموش ہوں میں۔ آپ نے مجھے سب سے تھوڑا کام دیا۔ اور میں وہ بھی نہ کر سکا۔ شرمندہ ہوں لیکن مجھے شرمندہ نہیں ہونا چاہیئے۔ آپ کو ناراض نہیں ہونا چاہیئے میں مجبور رہوں۔ میرا قصور نہیں۔ حالات کا قصور ہے۔ میرے دل میں زخم ہے۔ میرے دماغ پر بوجھ ہے۔"

پنسارے نے ایک پرانے استعمال شدہ جیومیٹری بکس میں سے ایک بیڑی نکالی اور اُس کو سلگاتے ہوئے بولا۔

"کیا ہوا؟"

"ایک لڑکی کی یاد ستاتی ہے۔"

"ہوں!"

پنسارے کے "ہوں" میں تمسخر تھا۔ وہی پرانی کہانی۔ وقت ضائع کرنے کا بہانہ۔ فضول۔ بے کار۔ اُس نے کاغذوں کا وہ پلندہ جو اُس نے بیڑی سلگانے کے لئے میز پر رکھ دیا تھا پھر اُٹھالیا۔

"میں نے آج تک کوئی چودہ لڑکیوں سے محبت کی ہو گی۔ لیکن اُس لڑکی کی محبت! اُف اُس کی محبت نے میرے دل کو جوالا مکھی پہاڑ بنا دیا ہے۔ اور باقی تیرہ لڑکیوں کو میں نے گردن سے پکڑ کر اس جوالا مکھی پہاڑ کے منہ میں دیدیا ہے۔"

"اوہو!"

"اور اس کا ایک خاص سبب تھا۔"

"کیا؟"

"وہ ایک مراٹھی لڑکی تھی۔"

"مراٹھی لڑکی!"

"اُف وہ اُس کا گیندے کے پھول جیسا زرد رنگ! اس کی پلیئر کے سگرٹ جیسی نازک کمر! اُس کا لکس کے صابن جیسا ملائم چہرہ! اس کا آم کی آئس کریم جیسا ٹھنڈا بدن۔ اور اُس کے زرد زرد، نازک نازک، ملائم ملائم، ٹھنڈے ٹھنڈے جسم پر پتلی پتلی پھولدار ساری۔ اور سر کے پیچھے بالوں کے گچھے میں پھولوں کا ہالہ۔ میں اُس لڑکی کے عشق میں تین دفعہ بی۔ اے میں فیل ہوا۔"

پنسارے کے مراٹھا خون میں تجسس کی تھوڑی سی حرارت پیدا ہو گئی۔ اُس نے کاغذوں کا پلندہ پھر میز پر رکھ دیا۔ اور اس پر ایک ہاتھ رکھ کر بازو کے سہارے میز کے کونے پر بیٹھ گیا۔

"کہاں ملی تھی وہ تمہیں؟"

"وہ بھی میری طرح اپنے ماں باپ کے ساتھ کچھ عرصے کے لئے شملے آئی ہوئی تھی۔ ان کا بنگلہ ہمارے بنگلے سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ مجھے اُس کو دیکھنے کا اتفاق صرف اس وقت ہوتا تھا۔ جب میں سائیکل پر اُن کے بنگلے کے سامنے سے گذرتا تھا۔ ہماری آنکھیں لڑیں۔ ہماری آنکھیں لڑتی رہیں۔ پھر مجھے عشق ہو گیا۔ ٹائیفائڈ سے بھی زیادہ خطرناک عشق۔ عشق صرف عشق۔ بے اندازہ۔ بے زبان۔ بے نام۔"

"بے نام؟"

"ہاں میں اُس لڑکی کا نام نہیں جانتا۔ وہ میرا نام نہیں جانتی۔ میں نے اُس کو لکھا کہ تمہارا نام مدھوریکا مہندریکہ ہونا چاہئے۔ اور میرا نام بھاسکرا بھسمکہ ہے۔ دنیا کو دھوکا دینے کے لئے فرضی نام ــــــ"

"مدھوریکا مہند دیکھ او ربھا سکر اھسمکر!"

"ـــــــــ خط کے جواب میں اُس نے لکھا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے سیول آرکج! خط کو پڑھ کے مجھے بہت مایوسی ہوئی۔ ہماری محبتوں میں فرق نکلا۔ میں عشق کی تھرڈ سٹوری پر تھا۔ وہ ابھی گراؤنڈ فلور پر رہتی تھی۔ وہ عشق کو اس کی بلندیوں سے کھینچ کر شادی کے مکہ وہ فرش پر پٹخ دینا چاہتی تھی۔ میں نے خط کا جواب نہ دیا۔ پھر وہ چلے گئے۔ وہ مجھ کو ملے بغیر چلی گئی۔ اب تک اُس کے لئے ترستا ہوں۔ اُس کے ساتھ ایک رات کے لئے ترستا ہوں"۔

"لیکن جب تم اس سے شادی کرنا نہیں چاہتے تھے تو اس کے ساتھ رات کا کیا مطلب؟"

"اس کے ساتھ ایک رات مل جاتی تو میری پیاس بجھ جاتی۔ میری محبت کم ہو جاتی۔ میرا دل جوالا مکھی پہاڑ نہ بن جاتا۔ میں اُس کے لئے اتنا بے قرار نہ ہوتا جتنا اب ہوں"۔

"اصغر محبت کے بارے میں تمہارے خیالات بہت گندے ہیں"۔

"گندے یا اُجلے، وہ میرے خیالات ہیں"۔

"اُس لڑکی کی شادی کی درخواست تم نے رد کر دی، اچھا نہیں کیا"۔

"لیکن اس محبت کے سلسلے میں میں نے آپ کو وہ بات تو بتائی نہیں۔ جو سب سے زیادہ دلچسپ ہے"۔

"بتا دو"۔

"اس واقعے کے بہت عرصے بعد مجھے ایک دن یکایک ایک خیال آیا۔ میں نے میز کی دراز سے مدھوریکا کی تصویر نکالی۔ دیر تک اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ اور پھر خوشی سے اچھلتے ہوئے الفاظ میں بولا۔ مدھوریکا میں سمجھ گیا ہوں۔ تم میں میرے لئے کیا دلچسپی تھی

میں سمجھ گیا ہوں میں تمہاری طرف کیوں کھنچا آتا تھا۔ میں سمجھ گیا ہوں۔ ہاں یہی بات تھی۔ بالکل یہی بات؟"

"کیا بات؟"

"مدھوریکا اور میری رومانس کے دنوں ہی میں مس میو کی مدر انڈیا پڑھ رہا تھا۔ ایک دن بہت دیر تک پڑھتے رہنے کے بعد میں شام کو سیر کے لئے نکلا۔ ہمارے بنگلے کے ایک فرلانگ کے فاصلے پر دوسرے بنگلے کی بالکنی میں مجھے ایک لڑکی نظر آئی۔ میری نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں۔ میری آنکھوں کے سامنے مدر انڈیا کا ایک ورق آگیا مدر انڈیا کا ایک باب۔ وہی الفاظ۔ وہی خطوط۔ میں نے دیکھا کہ وہ بنگلہ نہیں۔ میرا ڈنگ شلیف ہے۔ وہ لڑکی نہیں۔ مدر انڈیا ہے۔ میں نے پکچر فریم میں سے ایک خوبصورت لڑکی کی فوٹو نکال کر پھاڑ ڈالی۔ اور اس کی جگہ مدھوریکا کی تصویر ڈال دی۔ اُس کو میز پر رکھ کر اس کے سامنے ہاتھ باندھ کر جھک گیا اور ادب سے بولا! مدر انڈیا! مدر انڈیا! مدر انڈیا!"

"مدر انڈیا! وہ تمہارے جیسے گندے خیالات سے بھری ہوئی گندی کتاب!"

"مجھے مدر انڈیا سے اتنی ہی محبت ہے جتنی مدھوریکا سے۔ میں مدر انڈیا کو محبت کر سکتا ہوں لیکن اُس سے وابستہ نہیں ہو سکتا۔ میں مدھوریکا کو محبت کر سکتا ہوں لیکن اس سے شادی نہیں کر سکتا۔"

"گاباکا انکل شیم پڑھ لیتے تو ایسا نہ کہتے۔"

گاباکے انکل شیم نے مدر انڈیا کی کسی بات کو غلط ثابت نہیں کیا۔ الزام کا جواب الزام میں دینے سے الزام کا دھبہ نہیں دُھل سکتا۔ مس میو نے سچ بولا ہے۔ گابا نے بھی سچ بولا ہوگا۔ مدر انڈیا مشرق ہے۔ انکل شیم مغرب ہے۔ دونوں میں مشرق اور مغرب

کالبد ہے۔ دونوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں۔"

"سارا ہندوستان چیخ رہا ہے کہ مس میو نے ہندوستان کے متعلق صرف گندگی اچھالی ہے"

"اندھا کب چاہتا ہے کہ اس کو اندھا کہا جائے۔ وہ اپنے لئے سورداس کا نام پسند کرتا ہے۔"

پنسارے نے بڑی کا ایک آخری لمبا کش لیا۔ اور اس کو سگرٹوں کے پرانے ڈبے میں جو ایش ٹرے کا کام دیتا ہے۔ پھینک دیا۔ اصغر کے سامنے سے ٹوٹل کے کاغذات اُٹھا کر اپنے پلندے میں باندھ لئے اور دروازے کی طرف چل دیا۔

"مسٹر اصغر، جاؤ ہندوستان کو بدنام کرو میں ٹوٹل کر لوں گا۔"

وہ چلا گیا

گھڑی نے سوا چھ بجائے۔

اصغر بنک سے نکل فیروز شاہ مہتہ روڈ پر آ گیا۔ بارش تھمی ہوئی تھی۔ چھتریاں بند تھیں برساتیاں کندھوں پر تھیں۔ موسم عمر خیامی تھا۔

"ٹیکسی!"

ٹیکسی اُس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

"ریگل!"

اونچی اونچی بھاگتی ہوئی بلڈنگوں میں سے ہوتی ہوئی ٹیکسی ریگل کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

پکچر شروع ہو گئی تھی۔ وہ آنے والی پکچروں کے پروگرام دیکھنے لگا۔ ایک کونے میں وزن بتانے والی مشین تھی۔ وہ اس پر کھڑا ہو گیا

اُس نے سلٹ میں ایک آنہ ڈال دیا۔ سامنے درز میں ایک کارڈ نکل کر گر پڑا۔ ۹ سٹون ۵ پاؤنڈ۔ دوسری طرف اُس کی قسمت لکھی ہوئی تھی "تم کم گو اور شرمیلے ہو۔ بڑوں کا ادب کرتے ہو۔ محبت میں ثابت قدم اور وفادار رہو۔ تم نے ابھی تک کسی عورت سے محبت نہیں کی لیکن جس عورت سے محبت کرو گے۔ قیامت تک اُسی عورت سے محبت کرو گے۔"

اصغر ہنس پڑا۔

شاید ان سفید، نیلے اور سیاہ بادلوں کو یہ شک ہو جاتا ہے کہ ہندوستان کا سب سے خوبصورت شہر ہندوستان کا سب سے غلیظ شہر ہے۔ وہ برستے ہیں۔ مہینوں برستے رہتے ہیں۔ پھر میوزیم کے مغلیہ انداز کے سفید گنبد گیٹ وے آف انڈیا کے بلند دروازوں کی طرف دیکھتے ہیں۔ گیٹ وے آف انڈیا کے بلند دروازے راجہ بائی ٹاور کے زبان دراز کلاک کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور راجہ بائی ٹاور کا زبان دراز کلاک سفید، نیلے اور سیاہ بادلوں کی طرف دیکھ کر پکار اُٹھتا ہے۔ کیا فائدہ ہے۔ کیا فائدہ۔ کیا فائدہ ہے۔

لیکن اصغر نے ریگل کی ڈیوڑھی میں کھڑے ہو کر صرف یہ دیکھا کہ جب بارش تھم گئی۔ تو پتھر کی اونچی اونچی عمارتوں کے رنگ برنگے روغن زیادہ خوبصورت ہو گئے ہیں تارکول کی سرمئی سڑک کا سرمہ زیادہ واضح اور دلکش ہو گیا ہے۔ اور کوپریج کے دراز قد تاڑ کے درخت زیادہ سرسبز اور شاداب ہو گئے ہیں۔ اور اُس نے اپنے آپ کو کہا۔ یا خدا! یہ میوزیم سکوئیر ہے یا تصویر!

وہ ایک ٹیکسی میں جا بیٹھا۔

"مالا بار ہل۔"

فلورا فاؤنٹن کے موڑ پر کرسچن لڑکیوں کا ایک شوخ اور بیباک گروہ ٹیکسی کے نیچے

آتا آتا رُک گیا۔ ٹیکسی کی بریکوں نے ٹیکسی کو ایک دھچکے کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ لڑکیوں کے قہقہوں اور چیخوں سے فضا میں موسیقی جاگ اُٹھی۔ بمبئی کی شوخ اور بیباک لڑکیوں کے قہقہے! جیسے دیا سلائی کا ماچس کے ساتھ زور سے ٹکرا کر سنسنا اُٹھنا! اور دیا سلائی ماچس کے ساتھ زور سے ٹکرا کر سنسنا اُٹھی۔ اصغر کے کسی تاریک کونے میں روشنی ہوئی، روشنی نہیں ہوئی آگ لگ گئی۔

"ڈرائیور!"

"صاب"

"یہاں کوئی ایسی جگہ بھی ہے۔ جہاں کسی اجنبی کا دل لگ سکے؟"

"معاف کیجیے، کیا میں پوچھ سکتا ہوں آپ کس صوبے کے رہنے والے ہیں؟"

"کیوں پوچھتے ہو؟"

"ہم لوگ کسی شخص کا صوبہ جان کر بتا سکتے ہیں کہ اُس کو کیا چاہیے۔ مثلاً بنگال کے رہنے والے کا دل زیادہ لائبریریوں اور جلسہ گاہوں میں لگتا ہے۔ بمبئی کا آدمی زیادہ تر کلبوں، میچوں اور گھوڑدوڑوں کو پسند کرتا ہے۔ یو۔پی۔ کے لوگ مشاعروں اور ہندی اور اردو کے جھگڑوں میں حصہ لینا چاہتے ہیں۔ فرنٹر کا پٹھان امیروں کے بنگلوں، بڑی بڑی فرموں اور مالگداموں کی چوکیداری مانگتا ہے۔ اور پنجابیوں کو عورت چاہیے۔"

اصغر خاموش ہو گیا۔

میرین ڈرائیو کی خوبصورت سیرگاہ عالیشان بلڈنگوں کی قطار کے سامنے سہمی ہوئی سنسان پڑی تھی۔ دور اُفق کے پاس سمندر کی غضبناک موجیں بادلوں سے باتیں کر رہی تھیں۔ تم اوپر سے حملہ کرو۔ ہم خشکی کی طرف سے بڑھتی ہیں۔ دونوں مل کر اِس مغرور

بے رحم شہر کی سنگین عمارتوں کو تنکوں کی طرح بہا ر دیں گے ۔ اور ایک طوفانی موج انتہائی غصے کے ساتھ میرین ڈرائیور کی سیمنٹ کی دیوار سے ٹکرائی ۔ ہوا میں بلند ہوئی اور اصغر کی ٹیکسی پر گر پڑی ۔

لیکن ٹیکسی بے پروائی سے بھاگی جا رہی ہے ۔

چوپاٹی کی ریت پر صرف ماہی گیروں کے کچھ لڑکے ہندوؤں اور پارسیوں کے ساگر دیوتا پر چڑھائے ہوئے ناریل اکٹھے کر رہے تھے ۔ اور ریت میں کہیں کہیں گڑھے کھود کر پیسے ڈھونڈ رہے تھے ۔ اور کوئی نہیں تھا ۔ برسات نہ ہو تو یہاں دہی بڑوں کی بے شمار گندی گندی دکانیں لگ جاتی ہیں ۔ اور ہندوستانی لوگ دہی بڑے کھا کر پتے کو کتے کے سامنے پھینکنے سے پہلے خود چاٹتے ہیں ۔ یہ ہندوستانی لوگ نمک مرچ لگا کر دے دو ، تو گندگی بھی کھا لیتے ہیں ۔

مالابار ہل

ڈرائیور نے ٹیکسی کا دروازہ کھول دیا ۔

اصغر پہاڑی کے کنارے پر جا کر کھڑا ہو گیا ۔ نیچے میرین ڈرائیور کی رنگ برنگی روشنیوں کا نصف دائرہ اپنے پیچھے بمبئی کی روشنیوں کے میلوں تک پھیلے ہوئے جلوس کے ساتھ مغربی افق کو تعظیم کی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا ۔ اصغر کی نظریں منجمد ہو گئیں ۔ روشنیوں کا بے پناہ جلوس گھی کے چراغوں کا پانس بن گیا ۔ مغربی افق کے تاریک دیوتا کے سامنے آرتی ہونے لگی ۔

دو آوازوں نے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی ۔ پہاڑی کے دوسرے کنارے پر بکھرے ہوئے بالوں والے کھدر کے کپڑوں میں ملبوس اپنے چہروں کی ابھری ہوئی ہڈیوں پر ہتھوڑے اور درانتی کے نقشے بنائے ہوئے ۔ دو کمیونسٹ باتیں کر رہے تھے ۔

ایک نے کہا "تمہارے سوال کے جواب میں تمہیں میں اپنے مضمون کا کچھ حصّہ پڑھ کر سناؤں گا جو پچھلے ہفتے قومی جنگ میں چھپ چکا ہے۔ اونچی اونچی خوبصورت بلڈنگیں صاف شفاف چمکدار سڑکیں، بڑے بڑے شاندار ہوٹل، مہذب شائستہ مغربی قسم کے لوگ سینما، پارکیں، ٹرامیں، بسیں، لوگ کہتے ہیں بمبئی ہندوستان کا بہترین شہر ہے۔ لیکن میرے نزدیک بمبئی سمندر کی ریت میں چمکدار پتھروں کا ایک ڈھیر ہے۔ بحرِ ہند کے کنارے پر تہذیب کا ڈراؤنا قبرستان، وہ سامنے نظر آنے والی روشن کھڑکیاں انسانیت کے ماتمی سینے پر خونی داغ ہیں۔ یہاں بیٹھ کر گناہ سورج کے غروب ہونے کا انتظار کرتے ہیں۔ یہاں چھپ کر گناہگار سیہ کاریوں سے ملوّث ہوتے ہیں۔ یہاں سے سرمایہ مزدور کے سستے خون کی آبشار بن کر نیچے گرتا ہے۔ یہاں سرمایہ دار ہزاروں امیدوں کے فرش پر بے دریغ رقص کرتا ہے۔ رات کو گیارہ بجے کے بعد ان شاندار بلڈنگوں کے نیچے فٹ پاتھ پر کراہنے والی تلخ نیندیں میری شاہد ہیں ــــــ"

آسمان کو رونا آگیا۔ کمیونسٹوں کے کھدّر کے کپڑوں کو بارش میں بھیگ جانے کے لئے چھوڑ کر اصغر اپنے قیمتی سوٹ کو بچاتا ہوا دوڑا دوڑا ٹیکسی میں آبیٹھا۔

ڈرائیور نے کہا "صاب! آپ نے مجھے کسی دل بہلانے والی جگہ پر لے جانے کے لئے کہا تھا۔"

اصغر نے کہا "اور تم نے مجھے اپنا صوبہ بتانے کے لئے کہا تھا۔

"مجھے آپ سے آپ کا صوبہ نہیں پوچھنا چاہئے تھا۔ آپ سے باتیں کرنے کے تھوڑی دیر بعد مجھے آپ کا صوبہ معلوم ہو گیا تھا۔ اور دراصل بہت پہلے مجھے آپ کا صوبہ معلوم ہو جانا چاہئے تھا۔ اُس وقت جب آپ چیختی چلّاتی ہوئی کرسچین لڑکیوں کے پاس میں نے ٹیکسی

کھڑی کر دی تھی۔ آپ مجھے کچھ نہ بتائیں میں سب کچھ جانتا ہوں۔"

"کیا؟"

"آپ پنجابی ہیں۔"

کیمپس کورنر۔

ہیوٹو نز روڈ۔

اوپرا ہاؤس۔

گرگام

"میں آپ کو یہاں اتارتا ہوں۔"

ایک کالی ہڈیوں والے لڑکے نے ٹیکسی کا دروازہ کھولا۔

"یہ لڑکا آپ کو ایک فلیٹ میں لے جائے گا۔ اس کے تین کمرے ہیں۔ پہلے کمرے میں آپ کو اس کا خاوند ملے گا۔ اُس کے پاس سے خاموش گذر جائیے۔ دوسرے کمرے میں اس کے دو بچے ہونگے۔ وہاں سے بھی چپ چاپ گذر جائیے۔ تیسرے کمرے میں وہ آپ کا انتظار کر رہی ہو گی۔"

"ڈرائیور، مجھے ہر روز شام کو میرے ہوٹل پر ملو۔ تم کو اپنے ہوٹل کا کارڈ دوں گا۔ اور دیکھو تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام عباس ہے اور میرا نمبر 5203 ہے۔"

اصغر نے کرایہ ادا کیا۔ ہوٹل کا کارڈ دیا اور اُس لڑکے کے پیچھے چل پڑا۔ وہ تاریک سیڑھیوں میں سے ہوتا ہوا اس کو ایک مکان پر لے گیا۔ اُس نے اصغر کو بتایا کہ دروازہ بند نہیں ہے۔ معمولی کوشش سے کھل جائیگا۔ اصغر دیر تک تذبذب کے عالم میں کھڑا رہا۔ پھر اُس نے

ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا اور آہستہ آہستہ اندر چلا گیا۔

اُس کے اوسان خطا ہو گئے۔

سامنے پنسارے بیٹھا تھا۔

اصغر کا دل بھاگ جانے کو چاہا۔ وہ واپس مڑا اور باہر جانے کے لئے دروازہ کھولا۔

پنسارے نے کہا۔ "اصغر تمہیں ٹھیک راستہ بتایا گیا ہے۔ تم اندر جا سکتے ہو۔"

اصغر پتھر کا بت بن کر کھڑا ہو گیا۔

"مسٹر پنسارے، مجھے اپنی حماقت پر بہت افسوس ہے میں لوٹ جانا چاہتا ہوں۔"

"نہیں، تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

"دراصل میں کسی ناپاک ارادے سے نہیں آیا میں صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ ایسا کیوں ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ بمبئی میں اخراجات کی زیادتی اس کا سب سے بڑا سبب ہے۔ لیکن آپ کے کیس نے مجھے حیران کر دیا ہے۔ آپ معقول تنخواہ پاتے ہیں۔ آپ اس بارے میں کیا کہیں گے؟"

"صرف یہ کہوں گا کہ میں اپنی بیوی کے معاملے میں دخل نہیں دے سکتا۔"

"آپ کی بیوی کا معاملہ آپ کا معاملہ ہے۔ اور اپنے معاملے پر آپ کو پورا اختیار ہے۔"

"معاملے پر اختیار ہو سکتا ہے، لیکن بیوی پر اختیار نہیں ہو سکتا۔ معاملہ معاملہ ہے اور بیوی ٹی بی ہے۔"

"کچھ بھی ہو آپ اس بے غیرتی کو روک سکتے ہیں۔"

"روکنے سے مجھے نقصان پہنچتا ہے میں تجارت کر رہا ہوں۔"

اصغر حیران ہو گیا۔ ٹی بی کیا! تجارت کیسی! اُس نے محسوس کیا کہ اِن واقعات کے

پیچھے کوئی دلچسپ کہانی ہے۔ اُس کا وہ ابتدائی خوف دور ہو گیا تھا۔ اُس کے سوالوں میں تجسس بڑھ گیا تھا۔ پنسارے کے جذبات میں معمولی ہلچل بھی نہ تھی۔ وہ معمولی انداز میں کرسی کا منہ اصغر کی طرف کئے، بائیں ہاتھ کی کہنی میز پہ رکھے، دائیں ہاتھ میں عینک پکڑے اصغر سے باتیں کر رہا تھا۔ اُس کے لفظوں میں کافی سے زیادہ خود اعتمادی تھی، سکون تھا، اطمینان تھا۔ اُس کے رویئے میں اُس کی زندگی کا فلسفہ جھلک رہا تھا۔

کمرے میں بجلی کی ایک ٹیبل لیمپ کے علاوہ اور کوئی روشنی نہ تھی۔ اُس کے بائیں جانب سے میز پر رکھے ہوئے ٹیبل کی یہ روشنی اُس کے بائیں آدھے چہرے کو روشن کر رہی تھی۔ اُس کا سایہ سامنے کی آدھی دیوار پہ ہوتا ہوا کونے میں سے دوسری دیوار تک پہنچ گیا تھا۔ کمرے کی اس مشکوک فضا نے اس کی باتوں میں زیادہ رعب پیدا کر دیا تھا۔

وہاں صرف ایک کرسی تھی، جس پر پنسارے بیٹھا تھا۔ پنسارے نے اپنے خلیق رویئے کے باوجود اصغر کو کرسی پیش کرنے کی پروا نہیں کی۔ اصغر اپنے دائیں ہاتھ سے دروازے کا اوپر کا کنارہ پکڑے کھڑا تھا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا مسٹر پنسارے۔"

اصغر نے سمجھا کہ وہ سمجھ گیا ہے۔ "مجھے آپ سے ہمدردی ہے مسٹر پنسارے!"

پنسارے نے پوچھا، "کیوں؟"

"بیوی اور شوہر کے خراب تعلقات زندگی دشوار کر دیتے ہیں۔"

"لیکن میرے تعلقات تو اپنی بیوی کے ساتھ بہت اچھے ہیں۔"

"پھر آپ اُس کو ٹی بی کیوں کہتے ہیں؟"

"جس طرح تمباکو کا سوداگر تمباکو کو تمباکو کہتا ہے۔"

"تمباکو کو تو سوداگر کے ساتھ کوئی محبت نہیں ہوتی۔"

"میری بیوی کو بھی میرے ساتھ کوئی محبت نہیں۔ اُس کی اور میری عمر میں اٹھارہ سال کا فرق ہے۔ میں اس وقت انتالیس سال کا ہوں۔"

"میں حیران ہوں کہ جب آپ بھی اِس فرق کو پسند نہیں کرتے تو آپ نے اُس سے شادی کیوں کی۔"

"کیونکہ میری پہلی بیوی مر چکی تھی۔"

"لیکن اِس کا مطلب یہ تو نہیں کہ آپ ایک معصوم اُٹھتی جوانی کو اپنی ہوس کا شکار بنا لیں۔"

"اگر شکار ملتا ہو تو کیوں چھوڑا جائے۔"

اصغر کو بنپارے کے سنگدلانہ لہجے پر غصہ آگیا۔ وہ ایک لمحہ کچھ نہ کہہ سکا۔ اُسکا نیچے کا ہونٹ اس کے دانتوں میں آگیا۔ نظریں کھوئے کھوئے مضطرب انداز میں اُسکے پاؤں پر پہنچ گئیں۔ اُس نے دروازے کا کنارہ چھوڑ دیا۔ آہستہ آہستہ میز کی طرف چلنے لگا۔ میز سے تین قدم کے فاصلے پر اپنی پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بنپارے کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔

"مسٹر بنپارے، آج دفتر میں جو سوال میں نے آپ سے کیا تھا۔ اس کا جواب مجھے مل گیا ہے۔"

"کیا؟"

"مس میوٹھیک کہتی تھی۔ کہ ہندوستان میں کوئی بینپارے نہیں۔ ہندوستان میں بنپاری ہیں جو بھنگ، گندہ بروزہ، نیلا تھوتھا وغیرہ بیچتے ہیں۔"

"لیکن مس میو کو ہماری تجارت میں دخل دینے کا کیا حق ہے؟"

اصغر کا غصہ زیادہ تیز ہو گیا "تم کتنا کمینہ لفظ استعمال کر رہے ہو مسٹر منسپارے! ——— تجارت ——— کیا تم نے اپنی بیوی کو خریدا تھا؟"

پنسپارے نے اپنے دائیں ہاتھ کی ساری انگلیاں دکھاتے ہوئے "پانچ ہزار روپے میں ———"

اصغر مبہوت ہو گیا۔

"——— میری بیوی کا باپ ایک لالچی آدمی ہے۔ وہ سٹے اور ریس میں بہت سی دولت برباد کر چکا تھا۔ وہ ڈوب رہا تھا۔ اُسے تنکے کی ضرورت تھی۔ میں مارکٹ کے نرخ خوب سمجھتا ہوں۔ پانچ ہزار روپے کو ایک انیس سال کی لڑکی۔ اچھا سودا تھا۔"

"لیکن تم کو اِس سودے کے نتیجوں کا بھی تو پتہ ہو گا؟"

"بے شک؟"

"پھر اب تم غیرت سے ڈوب کیوں نہیں مرتے؟"

"مسٹر اصغر، یہ میرے لئے نئی بات نہیں۔ بمبئی کی وائٹ سٹریٹ میں میرے چار مساج ہال ہیں۔ کلکتہ کے بو بازار میں تین بال روم ہیں۔ لاہور کی ہیرا منڈی میں میرے چھ بالا خانے پبلک کی خدمت کر رہے ہیں۔ دہلی کے چاوڑی بازار میں میرے اڈوں کو بہترین دل لگی کا سامان مہیا کرنے کا فخر حاصل ہے۔ مجھے اِس بزنس سے تقریباً تیس ہزار روپے سالانہ کی آمدنی ہے۔ اور تم سُن کر حیران ہو گے کہ مجھے سب سے زیادہ آمدنی پنجاب سے ہے۔"

"پنسپارے اگر تم چپ نہیں ہو جاؤ گے، تو تمہارے بتیس دانت تمہارے پیروں میں ہونگے"

"اصغر تم ابھی بچے ہو۔ تمہیں معلوم نہیں کہ میں ایک دولتمند آدمی ہوں۔ اور قانون میرے بٹوے میں ہے"۔

"میں ابھی پولیس کمشنر کو فون کرتا ہوں"۔

"پولیس کمشنر ابھی یہاں سے گیا ہے۔ وہ ہمارا گاہک ہے"۔

اصغر غصے کو زہر کی طرح پی گیا۔ اُس کی غضب آلود نگاہیں پنسارے کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔ پنسارے کو اُس کی خاک بھی پروا نہ تھی۔ اُس نے اپنا کام کرنا شروع کر دیا۔ شاید دفتر کا کام تھا۔

"اصغر، تم جا سکتے ہو، اندر یا باہر"۔

اصغر باہر کے دروازے کی طرف چل دیا۔ جب اُس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا، اسے خیال آیا۔ اُس نے مڑ کر پنسارے کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے کام میں مشغول تھا

"مسٹر پنسارے، میں نے آپ کا بہت وقت ضائع کیا ہے۔ قیمتی تجارتی وقت! آپ اس وقت کی قیمت وصول کر سکتے ہیں"۔

پنسارے چپ چاپ بیٹھا رہا۔

"میں آپکو آپکا وقت ضائع کرنے کی قیمت میں دس روپے ادا کرنا چاہتا ہوں، مسٹر پنسارے!"

یکایک اندر سے ایک آواز بلند ہوئی۔ "آپ دس روپے ادا کر سکتے ہیں"۔

اصغر نے چونک کر اندرونی دروازے کی طرف دیکھا۔ دروازہ کھلا۔ اصغر حواس باختہ ہو گیا۔

"مدھو ریکا مہندریکر!"

مدھو ریکا مہندریکر نے گڑی ہوئی حیران نظروں سے اصغر کو دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا

"بھاسکا بھسمکر!"

پنساری نے اپنی عینک اتار کر دونوں کی طرف دیکھا اور دوبارہ عینک لگاتے ہوئے بولا۔
"ہے بھگوان کرم کر!"

اصغر بھڑبھڑایا، "مدھوریکا تم! —— تم تو پہلے سے بھی زیادہ زرد ہوگئی ہو۔
اور —— یہ —— تم ——؟"

مدھوریکا نے پنساری سے کہا "پنساری یہ سولہواں لڑکا تھا جس کو میں نے تمہارے پنجے سے چھڑانے کیلئے کہا تھا۔ لیکن اس نے بھی میری شادی کی چھٹی کا کوئی جواب نہیں دیا۔ پتاجی گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک دفتر میں ملازم تھے۔ گرمیوں میں شملے اور سردیوں میں دہلی میں رہتے تھے۔ ہم ان دنوں شملے میں تھے۔ پتاجی غبن کے ایک کیس میں ملازمت سے ڈسمس ہوگئے اور ماں تپ دق سے فوت ہوگئی تو پتاجی نے کہا۔ اب میں تم کو نہیں سنبھال سکتا۔ تم منپارے کے گھر میں سکھی رہو گی۔ اس لڑکے نے میری مدد کرنے کی کوئی پروا نہ کی ——"

"لیکن —— لیکن —— مدھوریکا —— میں تو واقعی تم کو محبت کرتا تھا —— اور اب بھی ——"

"شٹ اپ، اصغر میں محبت کی توہین نہیں چاہتی۔ دنیا میں صرف ایک شخص محبت کرنا جانتا ہے۔ بہتر ہے تم اس سے ملو۔ وہ تم کو بتائیگا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور میں اس کو محبت کرتی ہوں۔ سچی محبت!"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں وہ کون ہے؟"

"نمبر ۵۲۰۳ ٹیکسی ڈرائیور، عباس۔"

اصغر نے اپنے کھسیانہ پن کو چھپانے کے لئے طنز آمیز لہجے میں کہا "میں سمجھتا تھا تم اپنے شوہر مسٹر منپارے کو محبت کرتی ہوگی۔"

"پنسارے میرا شوہر نہیں۔ وہ مسٹر منیلارے ہے۔ اُس نے مجھے پانچ ہزار رُپے میں خریدا ہے۔ وہ کہتا ہے اگر میں اُس کو سات ہزار رُپیہ ادا کر دوں تو وہ مجھے علیحدہ کر دے گا۔ میں اب تک اسے چار ہزار روپیہ ادا کر چکی ہوں۔"

"لیکن کیا آمدنی کے اِس معمولی ذریعے سے تم کو اتنی آمدنی ہو سکتی ہے؟"

"اس کو آمدنی کا معمولی ذریعہ مت کہو۔ بمبئی کے گدھے جن کو عام زبان میں سیٹھ کہتے ہیں، عورت کے ایک اشارے پر ہزاروں روپے قربان کر دیتے ہیں بشرطیکہ وہ اس کی بیوی نہ ہو۔ اس کے علاوہ میرے ماتھے پر مسز منیارے کا لیبل بھی ہے۔ لیکچر کر سکتی ہوں۔ بڑے بڑے شہروں میں دورے کرتی ہوں۔ استری ادھار سبھا کی پریذیڈنٹ ہوں۔"

"استری ادھار سبھا کی پریذیڈنٹ!"

"ہاں اور میں آئندہ اسمبلی کے الیکشن میں امیدوار کی حیثیت سے کھڑی ہونے والی ہوں۔"

"لیکن کیا کبھی لوگوں کو یہ معلوم نہ ہوگا کہ تم اندر سے کیسی ہو۔"

"بے شک ہوگا جب میں الیکشن میں کامیاب ہو کر کونسل چیمبر کے سٹیج پر آؤں گی۔ اور جب میں پہلی دفعہ ملک کو اپنی زندگی کے حالات بتاؤں گی تو سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھے گا۔ چاروں طرف سے نعروں کی بوچھار ہوگی۔"

اچانک دروازہ کھلا اور مدھوریکا مہندریکر کا باپ اندر آگیا۔

"بیٹی کل جو پچاس روپے تم نے مجھے دیئے تھے۔ وہ مجھ سے گم ہو گئے ہیں۔"

"پتا جی! مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ وہ پچاس روپے ریسوں میں ہار گئے ہیں۔ بار بار جھوٹ بول کر آپ مجھ کو اپنی خدمت کا موقع بہم پہنچاتے ہیں۔ بار بار میرا دروازہ کھٹکھٹا کر آپ میری اہمیت بڑھاتے ہیں۔ ایک مدت تک آپ کی محتاج رہنے کے بعد میں آج آپ کو اپنا

محتاج دیکھ کر بہت خوش ہوں۔ مجھے یاد ہے جب میں آپ کی محتاج تھی۔ میرا خوبصورت سے خوبصورت پہناوا بھی آپ کے دل کو نرم نہیں کرتا تھا۔ آج آپ کا بدصورت سے بدصورت جھوٹ مجھے آپ کی خدمت پہ اکساتا ہے۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک بہت بڑی ہستی ہوں۔ رشیوں اور منیوں سے بھی بڑی۔ اور ــــ اور ــــ مسٹر اصغر، دو دس روپے آپ میرے پتا جی کو دے دیجئے!"ــــ

اصغر نے روپے مدھوریکا کے باپ کو دے دیئے۔

"ــــ اور اب آپ میری آنکھوں سے اوجھل ہو جایئے پتا جی، میرا وقت قیمتی ہے میری طبیعت گر رہی ہے۔"

وہ چلا گیا۔

یکایک مدھوریکا مضمحل ہو گئی۔ اُس کی پیشانی پر پسینہ آ گیا۔ وہ لڑکھڑائی۔ اور دیوار سے گھسٹتی ہوئی فرش پر گر پڑی۔ اصغر اُس کی طرف دوڑا۔

"مدھوریکا ــــ مدھوریکا ــــ کیا ہوا ــــ کیوں؟"

"اصغر مجھے استری ادھار سبھا کی خدمت کا موقعہ نہیں مل سکے گا۔ میں اسمبلی کی ممبر بھی نہیں ہو سکوں گی۔"

"کیوں نہیں، مدھوریکا!"

"بخار! بخار میں کھانسی! کھانسی میں خون! میری ماں کی تپدق! میں جذبات کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ لیکن" ــــ اُسے کھانسی شروع ہو گئی۔

پنسارے دوڑا ہوا آیا،

"ہاں ــــ میں ڈرتا تھا ــــ مجھے یہی ڈر تھا ــــ مجھے یہی ڈر تھا۔ مجھے یہی . . ."

کھانسی! کھانسی! کھانسی!

شاعرِ پیغمبریت

"چاند" کے عنوان سے نظم کے تین شعر اس نے دوپہر کے وقت ہی کہہ ڈالے تھے :

تجلیات کی دُنیا کے خواب دیکھتا ہوں
تری جبیں میں رُخِ آفتاب دیکھتا ہوں
حرم سرائے فلک میں شگاف دیکھتا ہوں
میں کائنات درونِ نقاب دیکھتا ہوں
تری نگاہ میں رنگِ شراب دیکھتا ہوں

آسمان پر پورا چاند فضا میں جادو حلول کر رہا تھا۔ وہ اپنے شعروں کو ترنّم سے گا کر کھلیان کی فضا میں شعریت حلول کرنے لگا۔ نسیم کے رُوح پرور جھونکے گیہوں کی خشک پتّیوں سے اُس کے شعروں کی داد لے رہے تھے۔ ماحول پر موسیقی چھا گئی۔

چاند کی نیلی روشنی میں چاروں طرف قافیے اُڑتے پھر رہے تھے۔ اُن میں سے خواب آفتاب نقاب اور شراب کو اُس نے الفاظ کے قید خانے میں پھینک دیا تھا۔ اب اُس کو اور قافیوں کی تلاش تھی۔

رباب ۔۔۔ سراب ۔۔۔ التہاب ۔۔۔ حباب ۔۔۔ انتخاب ۔۔۔ شباب ۔۔۔ انجذاب ۔۔۔

سات خوبصورت قافیے۔ ان میں اکثر موضوع کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکیں گے اُس نے پھر قافیوں کا شکار شروع کر دیا۔

سحاب ۔۔۔ کباب ۔۔۔ کتاب ۔۔۔ شہاب ۔۔۔ خراب ۔۔۔ پیشاب ۔۔۔

ارے!

اُس نے آخری لفظ کی شاعرانہ اہمیت سے انکار کر دیا لیکن اُس کی جسمانی اہمیت سے انکار نہ کر سکا۔ اس کو پیشاب محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اُٹھا اور پیشاب کرنے کو ایک طرف چل دیا۔

اب وہ ایک پگڈنڈی پر کھڑا تھا۔ اُس کے بائیں ہاتھ کے ایک فرلانگ کے فاصلے پر گاؤں رات کی استراحت کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ اُس کی دائیں جانب کھلیان کے درمیان اُس کے پلنگ پر اُس کا شاندار بستر چاندنی میں زیادہ سفید معلوم ہوتا تھا۔ تاثرات اُس کو کسی دوسری دُنیا میں لگے اُس نے محسوس کیا کہ وہ اپنی تقریر کے آغاز پر کھڑا ہے۔ تقریر جو اُس کو کالج کھلنے پر کالج یونین کے سامنے "شاعری" پر کرنا تھی۔ اُس نے شعر کی فکر چھوڑ کر تقریر تیار کرنا شروع کر دی۔

"شاعری کا موضوع عورت کی دُنیا نہیں، دُنیا ہے۔ شاعری کا موضوع عورت کا حُسن نہیں حسن ہے۔ شاعری کا موضوع عورت سے محبت نہیں۔ محبت ہے۔ عورت کی دُنیا

عورت کا حُسن، عورت سے محبت، دنیا، حسن اور محبت کی معمولی حقیقتیں ہیں۔ وہ کم عمر، کم گہرے کمزور جذبات جو آدمی کو عورت کی خلوت گاہ کی طرف کھینچتے ہیں۔ شاعری کا واحد موضوع قرار نہیں پا سکتے۔ شاعری ایک غیر محدود، عالمگیر لطافت ہے۔ عورت اور عورت کا حُسن دو جدا گانہ چیزیں ہیں۔ عورت اپنی جسمانیت کے ساتھ کثافت ہے۔ اور وہ اپنی نسائیت کے ساتھ لطافت، کائنات لطافت اور کثافت کے متناسب امتزاج کا نام ہے۔ جب ہم عذرا کو اپنی شاعری کا موضوع بناتے ہیں۔ تو دراصل ہم عذرائیت پر طبع آزمائی کرتے ہیں۔ شاعری کی لطافتیں کثافتوں کی صرف ایک غیر مقدار کو برداشت کر سکتی ہیں۔ ہماری شاعری کا وہ دَور جو لکھنویت کے نام سے مشہور ہے ہماری شاعری کے ادبار کا زمانہ ہے۔ دہلویت کی بلند سنجیدگی شعر کی حقیقی روح ہے۔ بلند سنجیدگی جو حُسن کو عورت سے الگ کر کے عورت کے جسمانی وجود سے انکار کر دیتی ہے۔ عورت جو اپنے مادی متعلقات کے ذریعے ہمارے بہیمانہ جذبات کو ہیجان میں لا کر ہمارے قویٰ کو تمام بڑے بڑے مقاصد کی تکمیل سے محروم کر دیتی ہے۔ بہیمیہ جذبات جو ہم کو کھلیانوں کی شاعری پرورش فضاؤں سے بھی لطف اندوز ہونے نہیں دیتے۔ اور ——— اور ———"

وہ کیا ہے؟

سوکھے گیہوں کے ایک انبار کے پاس ایک سیاہ رنگ کی چیز نمودار ہوئی۔

ہر چند وہ چڑیلوں کے وجود کا قائل نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی وہ خوفزدہ ہو گیا۔

دوسری دفعہ جب اُس نے اس طرف دیکھا تو وہاں کچھ نہ تھا۔

اُس نے اپنے آپ کو کہا منطق میں اس کو Mal observation کہتے ہیں۔ غلط مشاہدے کے اِس امکان نے منطق کے اُس حصّے کو جسے ———

Induction کہتے ہیں۔ غیر معتبر حیثیت دے دی ہے۔ جوسٹورٹ مل نے بھی اپنی Induction کے فیصلوں کا غلط ہونا ممکن تسلیم کیا ہے۔ صحیح مشاہدہ اور صحیح تجربہ انسانی زندگی کے بہت بڑے معاون ہیں۔ لیکن وہ غلط مشاہدے اور غلط تجربے کے وجود کو نہیں مٹا سکتے۔

اُس نے اپنے خوف کی ایک بہت بڑی مقدار کو فلسفے کے سیلاب میں بہا دیا۔

اوہ کچھ نہیں تھا۔

وہ اپنے پلنگ کی طرف چل دیا۔

لیٹے لیٹے اُسے خیال آیا کہ جب وہ گیہوں کے اُس انبار کی طرف جہاں وہ کالی شے نظر آئی تھی دیکھتا تک بھی نہیں تو پھر اُس کو نیند کیوں نہیں آتی؟ اگر نیند نہیں آتی تو کوئی شعر کیوں نہیں ہو جاتا؟ اور اگر شعر نہیں ہو سکتا تو تقریر کے متعلق نئی باتیں کیوں نہیں سوجھتیں؟ اُسے کیا ہو گیا ہے؟

او خدا!

وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا

سیاہ مجسمہ اُس کی طرف آ رہا تھا

اُف!

آیت الکرسی بھی نہیں آتی۔

نزدیک۔ اور نزدیک۔ اور نزدیک۔

"رافت!"

اُس نے آواز کو پہچان لیا۔ "ارے! اگو! تم ہو! تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔" اُس کے

تبسّم میں کھسیانہ پن تھا۔ اُس کی خوشی میں دل کی دھڑکن تھی۔ "کیا اُس وقت بھی تم ہی تھیں جب میں اُس پگڈنڈی پر ٹہل رہا تھا؟"

"میں دیر سے اُس انبار کے پیچھے کھڑی تھی۔ میں نے تمہیں گاتے سُنا ہے اور بڑبڑاتے بھی دیکھا ہے۔"

"میں یہاں پلنگ پر اپنی ایک نظم پڑھ رہا تھا، اور وہاں پگڈنڈی پہ ایک تقریر تیار کر رہا تھا۔"

"خیر! اُس بات کی تصدیق ہو گئی۔"

"کونسی بات؟"

"تمہاری امّی کہتی تھیں تم پاگل ہو۔"

"پاگل!"

"ہاں۔"

"کیوں؟"

"تم اپنے گھر کی رونق کو چھوڑ کر یہاں سنسان کھلیان میں آ کر لیٹ جاتے ہو، گھریلو خانگی معاملات میں مشورہ دینے کی بجائے شعر کہتے پھرتے ہو۔ میں نے سنا ہے کہ تم نے غصّے میں اپنی امّی کو یہ بھی کہہ دیا تھا کہ تم گرمی کی چھٹیوں میں ماں باپ سے ملنے نہیں آتے۔ بلکہ تم کو کھلیانوں کی شاعرانہ فضا یہاں کھینچ کر لے آتی ہے۔ اور معلوم نہیں کیا کچھ۔"

"تمہارا بھی یہی خیال ہے؟"

"میں تمہاری امّی کی باتیں کر رہی ہوں۔"

"بتا دوں تمہیں میں یہاں کیوں سوتا ہوں؟"

"بتاؤ"

"تم پلنگ پر لیٹ جاؤ، نہیں تو تم کو کوئی دُور سے دیکھ لے گا"

وہ لیٹ گئی۔ "بتاؤ اب"

"اگو! مجھے تم سے محبت ہے۔"

"میرے عشق نے تم کو مجنوں بنا دیا ہے اور اب تم جنگلوں کی خاک چھانتے پھرتے ہو؟ ہے نا؟"

"لوگوں کا خیال ہے کہ کھلیانوں کی فضا میں میرے لئے کوئی کشش ہے، غلط ہے۔ ان تنہائیوں میں پڑا رہتا تھا۔ کہ کبھی تو تم کو میرے حال پہ رحم آئے گا۔ اور تم مجھ سے یہاں ملنے آجاؤ گی — آج — میں کتنا خوش قسمت ہوں۔ میرے سامنے دو چاند ہیں۔ ایک آسمان پر دوسرا زمین پر۔ میں چاندنی کے طوفان میں تیرتا پھر رہا ہوں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی حسین چاندنی مدہوش کر دینے والی چاندنی میں حلول ہو گیا ہوں۔ چاند بن گیا ہوں۔ غیریت کے پردے چاک ہو گئے ہیں۔ اور — اور —"

اگو نے اُس کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پرے رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن بے سود اُس نے اپنا دایاں رخسار اُس کے سینے پر رکھ دیا۔

"رافت!"

"ہاں"

"تم کو واقعی مجھ سے محبت ہے؟"

"تمہیں شک ہے؟ اکبری!"

"وہ نظم 'نیگھٹ' تم نے مجھ پر ہی لکھی تھی؟"

"نگھٹ، ـــــ نگھٹ، نے میری شہرت کالج کی دیواروں سے نکال کر تمام ہندوستان میں پھیلادی ہے۔ اور اس کے لئے میں تمہاری پاکیزہ رعنائیوں کا ممنون ہوں۔ تمہاری سادہ دیہاتی جاذبیت! جب تمہارے سر پہ پانی کی گاگر ـــــ"

"اُس نظم میں پانی کی گاگر والی لڑکی میں ہی ہوں۔"

"ہاں، اکو!"

"پھر کلثوم غلط کہتی ہے؟"

"کلثوم!"

"میری بہن کلثوم کہتی ہے کہ وہ نظم تم نے اُس پہ لکھی ہے۔"

"کلثوم پہ!" وہ حیرت میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ہاں۔"

"بالکل غلط۔"

"تم کو اچھی طرح یاد ہے کہ تم نے کبھی اُس سے ایسا نہیں کہا؟"

"مجھے یقین ہے۔"

"اور وہ تم سے کبھی تنہائی میں بھی نہیں ملی؟"

"نہیں۔"

"جھوٹی کہیں کی، میرے پاس کیا کیا کچھ بکتی رہی ہے۔"

"لیکن مجھ کو اُس سے محبت ہو کیسے سکتی ہے؟ وہ ایک شادی شدہ لڑکی۔ اور پھر وہ اتنی خوبصورت بھی تو نہیں۔ تم! تمہارا اور اُس کا مقابلہ سورج اور ذرّے کا مقابلہ ہے تمہارا چاند جیسا چہرہ چاند کو شرماتا ہے۔ تم گلاب کی ایک کچی کلی ہو۔

جذبات نے اُس کی زبان روک دی۔ اُس نے اُس کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں بھینچ لیا
"رافت! جب مجھے خیال آتا ہے کہ میں تمہارے قابل نہیں، تو میرے کلیجے پہ چھریاں چلنے لگتی ہیں۔ تم بی۔ اے، میں پڑھتے ہو، میں نے ابھی قرآن بھی ختم نہیں کیا۔ تم ایک مشہور شاعر ہو، میں ایک بیوقوف ان پڑھ لڑکی ہوں۔"

"اکبری! آدمی کے جن جذبات کا تعلق عورت کے حُسن سے ہے وہ اُس کی ظاہری خوبیوں کو کچھ اہمیت نہیں دیتے۔"

"پھر بھی میں تمہاری نہیں ہو سکتی۔"

"کیوں؟"

"میری شادی ہونے والی ہے۔"

"سچ کہتی ہو، اکو؟"

"ہاں۔"

"مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔ تمہاری یہ خوشخبری سن کر، اکو۔"

"رافت!"

"میں تم کو اپنی دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔"

"مذاق کا وقت نہیں رافت!"

"میں مذاق نہیں کرتا، اکو!"

"اور تم کہتے ہو تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟"

"بے شک۔"

"پھر کیا تم یہ نہیں چاہتے۔ کہ میری تمہارے ساتھ شادی ہو جائے؟"

"ہرگز نہیں۔"

"رافت!"

"بلکہ میں تو مدت سے ڈر رہا ہوں کہ کہیں میری تمہارے ساتھ شادی نہ ہو جائے۔"

"کیا کہہ رہے ہو تم، رافت؟"

"اکبری بیگم! کیا تم یہ نہیں چاہتیں کہ تمہارے حُسن سے متاثر ہو کر میں تم پر پنگھٹ جیسی اور بھی نظمیں لکھوں؟"

"چاہتی ہوں۔"

"تو چپ چاپ شادی کر لو۔ میری دعا ہے کہ تم کو کوئی بدصورت خاوند مل جائے تم اُس سے نفرت کرنے لگو۔ میری اور تمہاری محبت اور چمک جائے۔ تم اپنے خاوند کا کھانا لیکر جاؤ۔ میں تم سے راستے میں گنّوں کے کھیت پر ملا کروں۔ اُف! وہ رومانیت کی کتنی شاندار دنیا ہوگی اُف! وہ نظم جس کا عنوان 'پوشیدہ ملاقات' ہوگا، کتنی سامعہ نواز ہوگی۔ اکبری! تم نے مجھ کو ایک غیر فانی چیز بنا دیا ہے میں بھی تم کو ایک غیر فانی چیز بنا کر چھوڑ دوں گا۔ دو غیر فانی ہستیاں! غیر فانی ہستیاں ازدواج کے معمولی رشتے کو حقارت سے دیکھتی ہیں۔ اُن میں صرف ایک رشتہ قائم رہ سکتا ہے۔ ابدیّت کا رشتہ ——!"

"تمہاری امّی ٹھیک کہتی تھیں۔"

"کیا؟"

"تم پاگل ہو۔"

اکّو نے مایوسی سے نڈھال ہو کر کروٹ بدل لی۔ اُس کی نظریں دُور کہیں اُفق میں کھو گئیں اُفق اُس کے مستقبل کی طرح دُھندلا تھا۔ وہ اُس کو دیکھتی رہی معلوم نہیں کیوں دیکھتی رہی۔

چپ چاپ، بے حرکت، دھندلا اُفق اور بھی زیادہ دھندلا ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ اُسکو اپنا مستقبل نظر آنا بالکل بند ہو گیا۔ پانی کے ایک قطرے کا وہ طوفان جس نے اس کی آنکھوں کو اندھا کر دیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے اُمڈ کر اُس کے رخسار پر سے ہوتا ہوا معلوم نہیں کہاں غائب ہو گیا۔ اُس نے دیکھا کہ اُفق کے دھندلے پردوں پر ایک سیاہ رنگ کا نقطہ نمودار ہوا۔ وہ ہر لمحے کے بعد بڑا ہو رہا تھا۔ وہ ڈر گئی۔

"تم ناراض ہو گئی ہو، اکو؟"

رافت نے بے قراری سے اپنا ہاتھ اکّو کے بازو پر پھیرا۔ اکّو نے اپنے بازو کی ایک اضطراری حرکت سے اُس کے ہاتھ کو پرے جھٹک دیا۔ اور خوفزدہ تیزی سے اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کوئی آرہا ہے۔"

"کہاں؟"

"وہ دیکھو!"

سیاہ نقطہ بڑا ہو کر ایک مجسمہ بن گیا۔ رافت اور اکّو دونوں ڈر گئے۔

"اکّو! تم اس انبار کے پیچھے چھپ جاؤ، میرا کوئی دوست آرہا ہے۔"

اکّو ایک انبار کے پیچھے چھپ گئی۔ تاکہ اُس کا رویّہ غیر متعلق معلوم ہونے لگے، رافت نے اپنے شعروں کو پھر گانا شروع کر دیا۔ اُس کی مصنوعی محویت نے اپنے نزدیک کسی تیسرے وجود کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ صرف اُس وقت جب کسی کی دو انگلیوں نے اُس کے انگوٹھے پر چٹکی لی۔ اُس کو ایک لڑکی کی آمد کی خبر ہوئی۔ وہ دانستہ چونک کر اُٹھ بیٹھا۔

"کلثوم!"

"حیران کیوں ہو گئے، رانی، میں تو روز آتی ہوں یہاں۔"

"ارے بھئی ہولے بولو۔ کوئی سُن لے گا۔"

"کون سُن لے گا اِس جنگل بیابان میں؟ کسی کو کیا معلوم ——"

"تم نے سنا نہیں دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں۔"

"دیوار کے نا؟"

"خیر یہاں دیواریں تو نہیں۔ یوں سمجھ لو کھلیان کے بھی کان ہوتے ہیں۔"

"کوئی سنتا ہے تو سنا کرے کس کو نہیں معلوم گاؤں بھر میں کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟"

"اتنے بدنام ہو چکے ہیں ہم؟"

"صرف میری بہن کو یقین نہیں آتا۔"

"تمہاری بہن اکّو؟"

"وہ کہتی ہے وہ نظم 'نگھٹ' تم نے مجھ پہ نہیں لکھی بلکہ اُس پہ لکھی ہے۔"

"پھر تم نے کیا کہا؟"

"میں نے اُس سے صاف صاف کہدیا کہ تم میں اور مجھ میں بہت گہری محبت ہے۔ ہم ایک دوسرے سے ہر روز رات کے وقت ملتے ہیں۔ تم نے مجھ سے بارہا کہا ہے کہ" نگھٹ "تم نے میری اداؤں کے اثر میں لکھی ہے۔ تم ہمیشہ میرے حُسن سے متاثر ہو کر شعر کہتے ہو۔ تم کہا کرتے ہو کہ میں تم کو غیر فانی بنا رہی ہوں اور تم مجھ کو غیر فانی بنا کے چھوڑ دو گے ——"

آخری فقرے رافت کے سر پر ہتھوڑوں کی طرح پڑے گیہوں کے انبار کے پیچھے اکّو سب کچھ سُن رہی ہو گی۔

"نُوماں —— نُوماں —— تم جاؤ میری طبیعت اچھی نہیں۔ میں تنہائی چاہتا ہوں۔ نُوماں جاؤ! خدا کے لئے جاؤ۔"

"تم آج کچھ بدلے بدلے معلوم ہوتے ہو۔ میں شروع سے دیکھ رہی ہوں۔"

"میں بیمار ہوں، ثوما!"

"میں تمہاری تیمارداری کروں گی۔"

"تم چلی جاؤ۔"

"اچھا! جاتی ہوں لیکن جانے سے پہلے میں تمہارے منہ سے پھر سننا چاہتی ہوں۔ "سنگھٹ" وہ گاگر والی لڑکی تم نہیں، آکو ہے۔"

"آکو ــــ میری بہن ــــ میری رقیب ــــ تم مجھ سے اب تک جھوٹ بولتے رہے ہو؟"

"اگر میں تمہاری خوشامد نہ کرتا۔ تو تم آکو کو مجھ سے ملنے نہ دیتیں۔"

"بے ایمان، کمینے! تو اب تک بغیر کسی اندرونی احساس کے میری عصمت سے کھیلتا رہا ہے؟"

"میں ہجر میں اپنا دل بہلاتا تھا، ثوما!"

"آکو کا ہجر!"

"ہاں!"

"مکار لڑکے! پانچ سال ہوئے تو اسی طرح ثوما کے ہجر میں مارا مارا پھرتا تھا۔ یہی آکو جس کا ہجر اب تجھ کو پریشان رکھتا ہے تیرے پیغام مجھ تک لایا کرتی تھی۔ تو میری تعریف میں شعر لکھا کرتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے تجھ سے کہا، مجھ سے شادی کر لو، تو نے جواب دیا کیا تم نہیں چاہتیں کہ میں تمہارے حسن کے گیت گایا کروں؟ میں نے کہا: چاہتی ہوں، تو نے کہا، شادی کر لو۔ میری دعا ہے کہ تم کو بدصورت خاوند مل جائے۔ تمہاری اپنے خاوند سے بگڑ جائے۔ ہماری محبت زیادہ گہری ہو جائے گی۔ میں تمہارے عشق میں شعر کہا کروں گا۔ میں نے اپنے خاوند سے بگاڑ لی

گھر برباد کر دیا، اپنی زندگی تباہ کر ڈالی۔ صرف تیرے لئے۔ تیرے شعروں کے لئے' اور آج تُو نے میرا آخری حق بھی مجھ سے چھین لیا۔ تو کہتا ہے نکھٹّو ہیں اکّو ہے۔ اب تو ایک اور گھر برباد کرنا چاہتا ہے۔ ایک اور زندگی تباہ کرنے پہ آمادہ ہے۔ نامراد لڑکے! دغاباز لڑکے!"

"ٹوما! کوئی آرہا ہے۔"

"کہاں؟"

"وہ سامنے۔"

"میں جاتی ہوں۔"

"نہیں اِس گیہوں کے انبار کے پیچھے چھپ جاؤ۔"

کلثوم نے رافت کی طرف اُمید افزا نگاہوں سے دیکھا۔ اور ایک انبار کے پیچھے جا کر چھپ گئی۔

رافت بے قراری کے عالم میں ٹہلنے لگا۔ ایک عورت اُس کے پلنگ پہ آکر بیٹھ گئی۔

"خالہ! ——— کیسے آنا ہوا' خالہ؟"

"ارے وہ کمبخت لڑکیاں آج شام سے کہیں غائب ہیں۔"

"کون؟ اکّو اور ٹوما؟"

"بدچلن ہیں چھنالیں۔ ایک اپنے خاوند کے ہاں جانا نہیں چاہتی۔ دوسری اپنے ہونے والے خاوند کو پسند نہیں کرتی۔ کرتوت اُن کے الزام مجھ پہ سوتیلی ماں ہے۔ تنگ رکھتی ہے بیچاری دوسرا آسرا ڈھونڈتی ہیں۔ گاؤں والے ایسی ایسی ہزار باتیں بناتے ہیں۔ اندر کے حالات کسی کو معلوم نہیں ———"

"مجھے سب کچھ معلوم ہے خالہ!"

"میرا نام گوڑی ہے۔ رافت۔"

"میں جانتا ہوں، خالہ!"

"مجھے یہ لفظ بُرا لگتا ہے ـــــ خالہ ـــــ زیادہ سے زیادہ تین سال بڑی ہونگی میں تم سے۔ ایک دن تم نے کہا تھا تم مجھے خالہ کہتے ہو۔ تاکہ لوگ شک نہ کریں۔ لیکن اس وقت تو ہمارے پاس کوئی نہیں تم میرا نام لے سکتے ہو۔"

"تم یہاں نُوما اور اکو کو لینے آئی ہو۔ کیا تم یہ سمجھتی تھیں کہ وہ میرے پاس ہوں گی۔"

"نہیں۔"

"پھر؟"

"جیسے تم کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ ننھے بچے ہو۔ ابھی کل تو میری آنکھوں کی تعریفیں کرتے تھے کہتے تھے میں گاؤں میں سب سے زیادہ خوبصورت ہوں کبھی دفعہ تم نے کہا ہے کہ تمہاری نظم 'پنگھٹ' میں وہ پانی بھرنے والی لڑکی میں ہی ہوں۔ آج انجان بنتے ہو۔ آگ لگا کے تماشہ دیکھتے ہو۔ موقع اچھا تھا۔ سب اُن لڑکیوں کو ڈھونڈنے نکلے ہوئے ہیں میں تمہارے پاس آگئی۔"

"وہ اکو اور نُوما کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں؟"

"وقت ضائع نہ کرو رافت۔"

"اکو اور نُوما کے گم ہونے کا مجھے بہت افسوس ہے۔ مجھے اب کچھ اچھا نہیں لگتا۔ وہ پیاری پیاری بھولی بھالی لڑکیاں!"

"تم اب بھی اُن کو معصوم سمجھتے ہو۔"

"خصوصاً اکو!"

"وہ بند منہ کی مرچ!"

"اب میں اس کے بغیر کیسے جیوں گا۔"

"کیا؟"

"مجھے اُس سے بے حد محبت تھی!"

"کیا بکتے ہو؟"

"گوری خالہ! وہ میری قسمت میں نہیں تھی۔ وہ میری پہنچ سے باہر ہو گئی ہے، وہ چلی گئی ہے۔ اب بتانے میں کچھ ہرج نہیں، میں اُس پر جان دیتا تھا۔ میں تمہارے گھر صرف اُس کو دیکھنے کے لیئے جاتا تھا۔ میں تمہاری آنکھوں کی تعریفیں کرتا تھا، تم کو گاؤں میں سب سے زیادہ خوبصورت کہتا تھا، تمہیں 'پنگھٹ' میں پانی بھرنے والی لڑکی بتاتا تھا، صرف اِس لیئے کہ تم اِس خوشامد سے خوش ہو کر مجھے اپنے گھر آنے کی اجازت دیدو۔"

"بے ایمان، مکار، کتے!"

"میں تنہائی چاہتا ہوں، گوری خالہ۔"

"غریب جانکی ٹھیک کہتی تھی۔"

"جانکی! کون جانکی! وہی نا جو میری طرح گرمیوں کی چھٹیوں میں یہاں آئی ہوئی ہے جو کبھی کبھی مجھ سے انگریزی پڑھا کرتی ہے؟ کیا کہتی تھی وہ میرے متعلق؟"

"کہتی تھی تم نے اُس کو ایک سوال سمجھاتے وقت کہا تھا اُس کے حسن نے تم کو شاعر بنا دیا ہے۔ تم ہمیشہ اُس کے حسن کے گیت گاتے رہتے ہو۔"

"کچھ اور بھی کہتی تھی؟"

"مجھے یقین نہیں آتا تھا۔ میرا خیال تھا تمہیں مجھ سے محبت ہے۔ تم کو اوروں کی پروا نہیں ہو گی۔ آج معلوم ہوا"——

"وہ مجھ سے خفا معلوم ہوتی تھی؟"

"جب میں اُسے بتاؤں گی کہ تم کس قسم کی محبت کرتے ہو تو وہ تم سے نفرت کرے گی سب تم سے نفرت کریں گے۔"

"اُسے کچھ نہ بتانا، خالہ!"

"میں جاتی ہوں۔"

"خدا کے لیے اُسے کچھ نہ بتانا، کوڑی خالہ!"

"میرے پیچھے مت آؤ۔"

"کوڑی ــــ کوڑی ــــ جانکی کو کچھ نہ بتانا ــــ کوڑی ــــ"

کوڑی چلی گئی۔ وہ دُور تک چلّاتا ہوا اُس کے پیچھے چلا گیا۔ کوڑی نے اُس کی کچھ پروا نہ کی۔ وہ ایک جگہ پہ کھڑا ہو کر اُس کو دیکھتا رہا۔ کوڑی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ وہ اپنے پلنگ کی طرف چلدیا۔

اُس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ پلنگ پر جانکی بیٹھی تھی۔

"جانکی! تم آگئیں! جانکی!"

"دُور رہو مجھ سے۔"

"تم ناراض ہو جانکی۔"

"میں نے سب کچھ دیکھا ہے، میں سب کچھ جانتی ہوں۔ اِس انبار کے پیچھے اگو ہے۔ اُس انبار کے پیچھے تُو ما ہے۔ میں اِن دونوں سے پہلے یہاں آئی تھی۔ پگڈنڈی سے تم نے جس سیاہ چیز کو دیکھا تھا وہ میں تھی۔ میں تیرے دام میں گرفتار ہوا چاہتی تھی۔ میں نے تیری ذلیل حرکتیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لی ہیں۔ تُو یہاں کی سادہ اور معصوم زندگی پر اپنی تہذیب کے بدنما دھبے ڈال رہا ہے۔ تو اِن پاکیزہ حرمتوں کو چیتھڑا چیتھڑ کر کے خاک میں

ملا دینا چاہتا ہے۔ تو اُن کی بے داغ عصمتوں کو مجروح کر کے ان کو ہمیشہ کے لئے سوسائٹی کے بیروں میں پھینک دینے پر آمادہ ہے۔ میں خوش ہوں۔ میں تیرے ہتھکنڈوں سے بچ گئی۔ میں تجھ کو انتہائی حقارت کی نظر سے دیکھتی ہوں۔"

"جانکی!"

"میں تجھ کو صرف یہ بتانے کے لئے آئی تھی۔ کہ تجھ کو تیرے جرموں کی سزا دی جائے گی۔ میں یہ واقعہ گاؤں میں لے کر جا رہی ہوں۔"

وہ چلی گئی۔

انبار کے پیچھے سے تو تا باہر آگئی۔

"گاؤں والے انتقام لیں گے۔"

وہ چلی گئی۔

رافت نڈھال ہو کر پلنگ پر بیٹھ گیا۔

انبار کے پیچھے سے اگو باہر نکل آئی۔ جذبات کے بوجھ سے دبی ہوئی وہ رافت کے سامنے گھٹنوں کے بل گر پڑی۔ اپنے بازوؤں کو رافت کے زانوؤں پر رکھ کر اُس کے ملول چہرے کو دیکھتی ہوئی بولی:——

رافت! میں کتنی خوش ہوں۔ تم نے سب کے سامنے اقرار کر لیا۔ تم نے مجھے اُس جاہل کسان کے پنجے سے بچا لیا۔ اب ہمارے راستے میں کوئی کھڑا نہیں ہو سکتا۔ دعا کر خدا مجھے تمام عمر تمہاری خدمت کرنے کی توفیق دے۔"

"میری طبیعت اچھی نہیں۔ تم جاؤ، اگو!"

"میں اب کہاں جا سکتی ہوں۔ میرے لئے تمام گھروں کے دروازے بند ہو گئے ہیں، رافت!"

"میں جا رہا ہوں۔"

"کہاں؟"

"میری جان خطرے میں ہے۔ گاؤں والے لاٹھیاں لیکر آرہے ہونگے۔"

"میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔"

"فضول باتیں چھوڑ، اکّو!"

"میں تمہاری باندی ہوں، رافتؔ۔"

"کیا فائدہ ہے، اکّوؔ، مجھے تم سے محبت نہیں۔"

"لیکن ابھی ابھی تو تم نے سب سے کہا ہے 'پنگھٹ' میں وہ گاگر والی لڑکی میں ہوں۔"

"وہ جھوٹ تھا۔"

"جھوٹ!"

"میرے تمام شعروں میں جانگی کی تصویر ہے۔"

دُور گاؤں کی طرف سے کسانوں کی غضب آلودہ آوازیں آنے لگیں۔

"جانگیؔ! نہیں نہیں جانگی تمہیں مجھ سے نہیں چھین سکتی۔ کوئی تم کو مجھ سے نہیں چھین سکتا۔"

"چھوڑ دو مجھے اکّو! وہ آگئے۔ مجھے جانے دو، چھوڑ دو بھی اکّو۔"

"رافتؔ ——— رافتؔ ——— رافتؔ ———"

رافتؔ اُفق کے دھندلکوں میں غائب ہو گیا۔

صدمے کے شدید احساس نے اکّوؔ کو پلنگ پر گرا دیا۔

اکّوؔ کے چاروں طرف فضا میں غصّے سے لال خوفناک آنکھیں تیرتی پھرتی تھیں کھلیان

کی سوکھی گیہوں کے تمام پودے لوہے کی تیز سلاخیں لیئے اُس کی طرف آرہے تھے۔ ہوائیں مُردوں کی ڈراؤنی چیخوں میں ڈوبی ہوئی اُس کے اِردگرد گونج رہی تھیں۔ نیلے رنگ کے سفیدی مائل ہاتھ بھیانک خنجروں کے ساتھ اُس کی جانب بڑھ رہے تھے۔

اکو سہمی ہوئی بستر کی چادر میں لپٹ کر پلنگ پر لیٹ گئی۔

کالج کھلنے کے بعد ایک دن۔

رافت خوش تھا۔ اُس کو اپنی نظم اور تقریر پر پہلا انعام ملا تھا۔ گل داؤدی کے ایک گملے کے پاس کھڑے ہو کر اُس نے وہ خط پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا:

"گاؤں والوں نے تمہارے دھوکے میں اکو کے جسم کو لاٹھیوں سے کچل ڈالا"

اُس نے پھول میں سے چند پتیاں نکالیں۔ اور اُن کو مسلتا ہوا آہستہ آہستہ بورڈنگ ہاؤس کی طرف چلا گیا۔

جنگ پر جانے والے جہاز

میں کھڑا تھا، میرا بایاں بازو چھ انچ کی بندوق کے دہانے پر تھا۔

آدھی رات، سکوت کا عالم، ہر طرف نیند ہی نیند، سمندر کا تلاطم۔ تند ہوائیں۔ ڈیوٹی پر سپاہیوں کی خاموشی، چلنے والے انجنوں کا شور، جہاز جا رہا تھا جا رہا تھا۔ جا رہا تھا۔

مَیں نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھا۔ چودھویں رات کا چاند مجھے بھی دیکھ رہا ہوگا چودھویں رات کا چاند ساری کائنات کو دیکھ رہا ہوگا۔

چاند نے کہا:۔

"میں دیکھ رہا ہوں، ایک کسان سفر کر رہا ہے تھکا ماندہ۔ چور، چوٹیکسی نہیں۔ ٹرین نہیں، نادار ہے۔ میں نے اپنی آنکھیں اُس کی راہ میں بچھا دی ہیں۔ اُسے بہت دُور جانا ہے اور ضرور جانا ہے۔ لڑکے کے بچنے کی امید نہیں۔ گاؤں میں کوئی حکیم نہیں۔ مہاجن سے بیس روپے قرض لیکر شہر سے دوا لایا ہے۔ لڑکا بچ جائیگا تو قرض بھی اتر جائیگا۔ اب نہیں چلا جاتا۔ پاؤں درد کرتے ہیں بیٹھ

گیا۔ چاندنی میں پاؤں کے چھالے آنسوؤں کی طرح چمک رہے ہیں۔ ایک کار آرہی ہے ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے۔ کوئی کروڑپتی ہوگا۔ معلوم نہیں کون اونگھ رہا تھا؟ مسافر یا ڈرائیور؟ کار کسان کو روند کر نکل گئی ——

"میں دیکھ رہا ہوں ایک عورت اپنے بیمار بچے کی چارپائی کے پاس بیٹھی ہے میلی کچیلی گندی چارپائی، میلے کچیلے گندے کپڑے، غمخوار ہمسائے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ہیں۔ اکیلی رہ گئی ہے بچے کی حالت بگڑتی جارہی ہے۔ دوا کا انتظار ہے قیامت کا انتظار ہے۔ کھانسی ایک بار۔ دوبار، تین بار۔ بچہ ختم۔ ماں نے کہرام مچادیا۔ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ کیا باپ دوا لیکر آیا ہے؟ کیا حاصل؟ نہیں کوئی اور تھا۔ بتانے آیا تھا۔ کہ بچے کا باپ موٹر کے نیچے آکر مرگیا ہے عورت پاگل ہوگئی۔ گاؤں جمع ہوگیا۔ دفن کی تیاری ہورہی ہے ——

"میں دیکھ رہا ہوں کار ایک خوبصورت بلڈنگ کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ ایک خوبصورت عورت کی خوبصورت بلڈنگ! وہ بازار میں اپنے حسن کی نمائش سے تنگ آگئی ہے۔ چھت پر اپنے تاریک مستقبل کو چاندنی میں دیکھنے کی کوشش کررہی ہے۔ ایسی ہی ایک چاندنی رات میں کسی بے وفا نے اُس کے دل پر پہلا زخم کیا تھا۔ اب وہ کہاں ہے۔ اسے معلوم نہیں! اُس نے غصے میں اپنے دل پر ہزاروں زخم کر ڈالے۔ اب وہ سب کی ہے اور کسی کی نہیں۔ سوسائٹی کا دماغ اُس سے نفرت کرتا ہے۔ سوسائٹی کا دل اُس کے پاؤں چومتا ہے۔ سوسائٹی کی لڑکیاں اُس سے مرد کو مسخر کرنا سیکھتی ہیں۔ سوسائٹی کے لڑکے اس سے اپنے پیروں پر کھڑے ہونا سیکھتے ہیں۔ وہ اداس ہے۔ شاید عاقبت کی بے رحمی پریشان کرتی ہے۔ شاید دوزخ کی آگ یاد آتی ہے پاگل ہے۔ انسان کی مجبوریاں دوزخ کے انگارے ہیں۔ انسان کی مجبوریاں مٹ جاتی ہیں۔ دوزخ کے انگارے بجھ جاتے ہیں۔ اُس کا دوزخ چاندنی کی طرح ٹھنڈا ہے۔ ایک آہنی ارادہ

رکھنے والی، غلامی کی زندگی ٹھکرا کر خود دار زندگی بسر کرنے والی عورت انصاف کیلئے کسی دوسری عدالت میں نہیں جاتی۔ وہ اپنے افعال پر جائز، ناجائز کا حکم خود لگانا جانتی ہے۔ وہ اداس کیوں ہے؟ کیا وہ اپنی زندگی کے نفسیاتی پہلو پر غور کر رہی ہے؟ جب وقت اُس کی آنکھوں کے جادو کو کمزور کر ڈالے گا، تو کیا زندگی کے جہاد میں وہ تنہا ثابت قدم رہ سکے گی، آہ تنہائی! کسی نے کہا، 'وہ آپ کو بلا رہے ہیں' 'کون؟' 'وہی کار والے کرڈر بتی' 'اُن سے کہہ دیں اچھی نہیں ——— لیکن ——— اچھا ——— چلو میں آتی ہوں' وہ اپنی مسکراہٹ میں آنسوؤں کے ہزاروں طوفان چھپالے گی ———

"میں دیکھ رہا ہوں ایک عورت اور ایک آدمی باتیں کر رہے ہیں ——— میں جانتی ہوں وہ کہاں جانے ہیں۔ میں جانتی ہوں وہ میری پرُا نہیں کرتے۔ میں جانتی ہوں وہ دونوں ہاتھوں سے دولت لٹا رہے ہیں۔ اور ایک وفا شعار بیوی کی حیثیت سے میں اُن کو ان حرکتوں سے باز رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کر چکی ہوں۔ وہ نہیں سنتے میں مایوس ہو چکی ہوں۔ میں عورت ہوں۔ دل رکھتی ہوں۔ جذبات رکھتی ہوں۔ وہ اپنی زندگی میں دلچسپی چاہتے ہیں میں بھی چاہتی ہوں۔ وہ خانگی ذمہ داریوں سے بھاگتے ہیں۔ میں بھی بھاگتی ہوں۔ میں غیر ضروری قربانیوں کی قائل نہیں میں اس بازاری عورت سے اپنے خاوند کی بھیک مانگنا نہیں چاہتی۔ اُن کے دل میں میرے لئے جگہ نہیں۔ میں کسی اور کے دل میں اپنے لئے جگہ بنا سکتی ہوں۔ سوسائٹی نے ایسی عورتیں پیدا کر دی ہیں۔ جن کے ساتھ ہر آدمی کو خلوت کی اجازت ہے۔ سوسائٹی نے ایسے آدمی کیوں نہیں پیدا کئے۔ جن کے ساتھ ہر آدمی کو خلوت کی اجازت ہو۔ ایسا نہیں، آدمی عورت کو اپنا غلام سمجھتا ہے، ایک کھلونا، جذبات سے عاری، احساسات سے محروم۔ جب دیکھا توڑ ڈالا جب چاہا دور پھینک دیا۔ ایسا نہیں ہوگا۔ عورت مساوی حقوق مانگتی ہے۔ اب تم سے

چھپ چھپ کر نہیں ملوں گی۔ کیا تم سچ کہتے ہو کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو پیارے'۔۔۔۔
اُن کے ہونٹ ایک دوسرے سے مل گئے ہیں۔۔۔۔

"میں دیکھ رہا ہوں پوسٹ مارٹم روم میں ایک لاش پڑی ہے۔ اُس کا پوسٹ مارٹم ہوگا۔ اِس غریب کسان کی لاش نے ڈاکٹر کو دس ہزار روپے کا فائدہ پہنچایا ہے۔ وہ لکھ دے گا کہ اس کی موت موٹر سے نہیں ہوئی۔ ایک کروڑپتی کو سوسائٹی سزا نہیں دے سکتی۔ روپیہ بہت کچھ کرسکتا ہے۔ کیا مظلوم کی دادرسی نہ ہوگی؟ کیا ظالم کو سزا نہ ہوگی؟ کیا اِن دو سوالوں کا جواب ممکن ہے؟ مظلوم، مظلوم پیدا ہوتا ہے مظلوم، مظلوم جیتا ہے مظلوم، مظلوم مرجاتا ہے ظالم، ظالم پیدا ہوتا ہے ظالم، ظالم جیتا ہے ظالم، ظالم مرتا ہے مظلوم کی فریاد نہیں سنی جاتی۔ ظالم کا انصاف نہیں ہوتا۔ کیا قیامت کا دن عدالت کا دن ہوگا؟ کیا دوزخ اور جنّت کا وجود حقیقت ہے؟ کیا ان دو سوالوں کا جواب ممکن ہے؟ انسان کی اندھی آنکھیں اندھیرے میں بہت دور تک دیکھتی رہتی ہیں لیکن میری روشن آنکھ نے روشنی میں دنیا سے اُس طرف کچھ نہیں دیکھا۔۔۔۔

"میں دیکھ رہا ہوں، دولہا اور دلہن جمنا کے کنارے پر کھڑے ہیں۔ نئی جوانی، نئی شادی نئی دُنیا، مخمور آنکھوں کو پانی میں میرا عکس اندھیرا سا معلوم ہوتا ہے۔ آسمان پر کوئی ایک راستہ بھولا ہوا بادل کا ٹکڑا نظر آیا۔ دُلہن نے کہا: 'دیکھو! دیکھو! گھنشام رادھا کا انتظار کر رہے ہیں' دولہا نے کہا: 'نہیں، نہیں، میری رادھا میرے پاس ہے' اُن کے جسموں سے شعاعیں نمودار ہوگئیں۔ تیز، چمکدار شعاعیں، شعاعیں ایک دوسرے میں جذب ہوگئیں۔ چاندنی مدھم پڑ گئی۔ دنیا غائب ہوگئی، شعاعیں، صرف شعاعیں۔ صرف شعاعیں۔ آخر دلہن کے تمتماتے ہوئے رخساروں کے نیچے اُس کے تھرکتے ہوئے سرخ ہونٹ جنبش میں آئے، یہ جمنا ہے۔ ماتا جمنا! پوتر جمنا! اُس

اُس نے اپنے نازک ہاتھوں سے گلاب کا پھول پانی کی نذر کر دیا۔ دولہا نے بھی اپنے ہاتھ کا پھول جھپاجڑھا دیا۔ ایک موج نے دونوں پھولوں کو اکٹھا کر دیا پھول جا رہے ہیں۔ کہاں جا رہے ہیں؟ ——

"میں دیکھ رہا ہوں ایک لڑکی اپنے صحن میں امرود کے درخت کے نیچے کھڑی ہے تنہا، مغموم، خاموش، اُس کے دائیں ہاتھ میں ایک کاغذ جھپک رہا ہے۔ اُس کی دونوں آنکھوں میں آنسو چمک رہے ہیں پچھلے خط میں اُنھوں نے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ کہتے تھے تم کو ساتھ ہی لے جائیں گے۔ اس خط نے اس کی امیدوں کے ٹکڑے کر دئے ہیں؛ جنگ شروع ہو گئی ہے، رخصت نہیں مل سکتی۔ جنگ! جنگ! کیا ان کی بندوق کے سامنے بھی ایسے لوگ کھڑے ہوں گے۔ جن کی نئی نئی شادیاں ہوئی ہوں گی جن کے دلوں میں جوانی کی امنگوں نے ابھی ابھی آنکھ کھولی ہو گی۔ اور وہ اُن کو —— نہیں، نہیں، وہ ایسا نہیں کریں گے۔ وہ ایسا نہیں کریں گے۔ انتظار کرنے والے دلوں کی آہیں —— اور —— لیکن —— اگر انھوں نے اُن کو —— خدا نہ کرے —— خدا نہ کرے —— دل میں نامراد خیال کیوں اُٹھتے ہیں —— وہ کیا کرے۔ وہ کہاں جائے۔ اس کے بعد آنسو، آنسو، آنسو —— لڑکی رو! اور رو! اور رو کر اپنا برا حال کر لے۔ رونے کے سوا تو اور کیا کر سکتی ہے۔ تو اُن کے خلاف جنگ کا اعلان نہیں کر سکتی۔ جنھوں نے تیرے سرتاج کو ایک غیر محدود عرصے کیلئے تجھ سے چھین لیا ہے۔ جنگ صرف بے گناہوں کا خون بہانے کا نام ہے۔ سود کے خونخوار دانتوں سے لوگوں کا خون چوسنے والوں کا خون نہ بہاؤ۔ یہ جرم ہے۔ کسی کے قیمتی تاج کے انمول ہیروں کو چرانے والوں کو قتل نہ کرو۔ یہ گناہ ہے لیکن جب فصل پک جائے جب تندرست سنہری گیہوں کے کھلیان آباد ہو جائیں۔ اور جب کسان کا کنبہ مشقت کے میٹھے پھل کا پہلا لقمہ منہ میں ڈالنے لگے۔ تو ان پہ ایک ٹن کا قیامت خیز

بم گرا دو۔ کسان کو، کسان کے کنبے کو، کسان کی محنت کو بھسم کر ڈالو۔ یہ جرم نہیں۔ کالے کالے گندے کپڑوں والے غریب مزدور کو آج تنخواہ ملے گی۔ وہ خوش ہے۔ آج وہ ظالم سود خور پٹھان اُس کے دروازے کے سامنے اُس کا گلا نہیں دبوچ سکے گا۔ گھر پر اُس کا انتظار ہو رہا ہے۔ تنخواہ والے دن کھانے پینے کی چیزوں میں خاص اہتمام سے کام لیا جاتا ہے۔ دوربین سے ان تمام حالات کا مطالعہ کرتے رہو۔ اور جب وہ مزدور سارے دن کی عرق ریزی کے بعد پیشانی سے گندہ پسینہ نچوڑ کر باہر نکلنے لگے تو مل کو آگ لگا دو۔ امیدوں کو امیدوں کا قبرستان بنا دو۔ یہ گناہ نہیں۔ یہ جنگ ہے ———

"میں دیکھ رہا ہوں۔ ایک نوجوان چھ انچ کی ایک بندوق کے پاس کھڑا ہے۔ خاموش بے حرکت، اپنے آپ سے بے خبر۔ جہاز سے بے خبر۔ دنیا سے بے خبر۔ وہ بے خبر نہیں۔ وہ عالمگیر تخیل کے پر رکھتا ہے ——— نوجوان، تو منجمد کیوں کھڑا ہے۔ میرے ساتھ آ۔ دیکھ ایک عالیشان شہر کے سائرن بج رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کوئی کسان کسی کروڑپتی کی کار کے نیچے نزع کی حالت میں کراہ رہا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کوئی ماں اپنے مردہ بچے کو گود میں لیے چیخ چیخ کر رو رہی ہے۔ دیکھ دشمن کے بمبار ہوائی جہاز آگئے ہیں۔ بمباری شروع ہو گئی ہے ——— اے بمبار ہوائی جہاز والے تباہی کے منحوس پیغامبر، ٹھہر، ذرا دیکھو! ایک خوبصورت عورت کی خوبصورت بلڈنگ گر کر پاش پاش ہو گئی ہے۔ خوبصورت عورت کا خوبصورت فلسفہ بلڈنگ سے نکل کر فضا میں نہیں پھیل سکے گا۔ وہ مجبور ہو کر ناجائز طریقے سے دل بہلانے والی باغی ہیستیا۔ فنا ہو گئی ہیں۔ جنسی بغاوت کا خوشگوار موسم زندگی کے گلستان میں قدم نہیں رکھ سکے گا۔ پوسٹ مارٹم کے نتائج ظاہر ہو جانے سے پہلے مردہ خانے کی عمارت ہموار ہو گئی ہے۔ کار والے کروڑپتی کی بے گناہی دنیا پہ نمودار نہ ہو سکے گی۔ جمنا کے کنارے زندگی کے دو شاداب غنچے برباد ہو کر

خاک میں مل گئے ہیں۔ زندگی کے پھولوں کے سفینے ایک ساتھ مل کر جمنا کو پار نہیں کر سکیں گے۔ امرود کے درخت کے نیچے کانپتے ہاتھوں میں ایک خط تھامے ہوئے۔ تھرکتی آنکھوں میں آنسو چھپائے ہوئے ایک حسین لڑکی کا حسین امیدوں سے معمور جسم معدوم ہو گیا ہے۔ نور رونا ہے؟ تو کیوں روتا ہے؟ پاگل! پاگل!——

"اب مجھے خاموش ہو جانا چاہئے"

چاند خاموش ہو گیا۔

پاگل؟ مجھے کس نے پاگل کہا؟ میں پاگل ہوں؟ کیا میں پاگل ہوں۔ نہیں میں انسان ہوں۔ یہ چھ انچ کی بندوق ہے۔ یہ جہاز ہے۔ یہ سمندر ہے۔ رات سوئی ہوئی ہے۔ سوسائٹی خوابیدہ ہے میں رات کو جگا دوں گا۔ سوسائٹی کو بیدار کر کے چھوڑ دوں گا۔

"پاگل!"

"پاگل!"

میں نے جھنجلا کر کہا، "کون مجھے پاگل پاگل پکارتا ہے؟ کون ہے؟ کون ہے؟"

چھ انچ کی بندوق کے دہانے نے کہا، "پاگل! تو سوسائٹی کو بیدار کرنا چاہتا ہے۔ تو؟ چاندنی کے گہوارے میں مدہوش ہو جانے والا! چاندنی کی موسیقی میں بے اختیار رہ جانے والا۔ ذرور و کمزور چاندنی! اس کی ناتمام کوشش تو تمام کائنات کی ظلمت کو بھی نہیں مٹا سکتی جہاں ظلمت مٹ جاتی ہے وہاں مٹی چاندی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ لوگ سفید کپڑے پہن لیتے ہیں۔ جہاں چاندنی نہیں پہنچ سکتی۔ وہاں مٹی میں کانٹے نظر نہیں آتے۔ لوگ کالے کپڑے پہنتے ہیں۔ سفید کپڑوں والے اپنا کام کالے کپڑوں والوں کو سنبھال کر سو جاتے ہیں۔ چاندنی کے گہوارے میں چاندنی کی موسیقی میں، چاندنی لوریاں دیتا جاتی ہے۔ چاندنی جگا نہیں سکتی۔

ساری کائنات میں سوسائٹی کو جگانے والی چیز صرف ایک ہے۔ اٹھارہ اِنچ کی بندوق کی گرج! غفلت کی دیواریں گر جاتی ہیں۔ کاہلی کے پردے پھٹ جاتے ہیں۔ بیکاری کی لعنت ہٹ جاتی ہے۔ کمزور بازوؤں والے معدوم ہو جاتے ہیں۔ فلسفہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر قیامت کی رفتار سے جاتا ہے۔ خون کے چھینٹے سوسائٹی کی دیواروں کو رنگین کر دیتے ہیں۔ خاموش رہنے والوں کو سنگسار کر دیا جاتا ہے۔ آنسو بہانے والوں کو مسمار کر دیا جاتا ہے زندگانی ایک جہاد ہے۔ اِس جہاد میں سب سے زیادہ ہمت رکھنے والا سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ جنگ، دنیا کے تمام مسئلوں کا واحد حل ہے۔"

میں نے کہا، "میں نہیں سمجھا۔ میں نہیں سمجھا۔ میں نہیں سمجھا۔"

ایک دھماکا ہوا۔ پچاس پاؤنڈ کے ایک شیل نے میرے سر کو میرے جسم سے الگ کر دیا۔

ابھی تک زندہ ہوں۔ جسم رکھتا ہوں۔ سر نہیں رکھتا۔

چراغ کے نیچے

اُس کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار تھے۔

کمرے کی تصویروں میں سب سے زیادہ دلکش وُہ تصویر تھی جو اُس کے سامنے دیوار پر آویزاں تھی۔ اُس میں ایک نوجوان ہندو دوشیزہ جس کو مصوّر کی رنگ آمیزیوں نے قیامت کی خوبصورت بنا دیا تھا۔ ایک مندر میں دیوتا کے سامنے آرتی کر رہی تھی۔ دیوتا اتنا بدصورت تھا۔ جتنی وُہ خوبصورت تھی۔ وُہ جواہرات سے اتنا زیادہ گھناؤنا ہو گیا تھا۔ جتنی رنگوں کی آمیزش سے وُہ زیادہ دلربا ہو گئی تھی۔ راجستھانی شمعدانوں کی زرد زرد روشنی اور اگر کے نیلے نیلے دھوئیں میں مندر ازل کی صبح کے متبرک دُھندلکے کے اندر ڈوبا ہوا تھا۔ اس نیلی نیلی مدھم فضا پر لڑکی کی نیلی نیلی ملول آنکھوں نے تقدیس کی شعاعوں سے جادو سا کر دیا تھا۔ پانس پر گھی کے روشن دیئے اس کے خوبصورت زرد چہرے کی زردی اور خوبصورتی کو زیادہ واضح کر رہے تھے۔

اُس کی حسّاس نظریں اُس تصویر کی لطافتوں میں گم ہو گئیں۔ تھکا ہوا دماغ راحت کا متلاشی!

اُس نے بمبئی پہنچنے سے پہلے استقبالیہ کمیٹی کے سیکرٹری کو لکھ دیا تھا کہ اُس کی آمد پر کسی غیر معمولی جلوس کا انتظام نہ کیا جائے اور اُس کی رہائش کا انتظام کسی ایسے مقام پر ہو، جہاں سکون اور راحت نصیب ہو سکے۔

جُوہو ——— بمبئی کے قیامت خیز ہنگاموں سے دُور، فطرت کی سکون سے لبریز آغوش میں ——— وُہ جوہو کے ایک شاندار بنگلے کے خوبصورت ڈرائینگ روم میں ایک آرام کرسی پر بیٹھا تھا۔ اُس کی تھکاوٹیں تصویر کی لطافتوں میں کھوئی ہوئی تھیں۔

تمام دن ملنے والے اُس کو پریشان کرتے رہے اور اگر اس کو خونی دباؤ کے آغاز کا اندیشہ نہ ہوتا تو اب بھی اس کے پاس زائرین بیٹھے ہوتے۔ اُس نے عورتوں کے ایک وفد سے ملاقات کرنے کے بعد ملازم کو کہہ دیا تھا کہ اب وُہ کسی سے نہیں مل سکتا۔ وُہ عورتوں کے اُس وفد سے بھی ملنے سے انکار کر دیتا، اگر وُہ عورتوں کا وفد نہ ہوتا ——— گری ہُوئی بہنوں کا وفد ——— وُہ بازاری عورتوں کو "گری ہوئی بہنیں" کہتا تھا۔

ملاقات کرنے والوں میں سے "گری ہُوئی بہنوں" کے وفد نے اُس پر سب سے زیادہ اثر کیا تھا۔ غالباً جذبات کی اُس شدّت نے اُس کو سامنے کی دیوار پر تصویر کی طرف زیادہ مائل کر دیا تھا۔ لڑکی کے چہرے کی خوبصورت زردی اور اُفتادہ بہنوں کے وفد کی زرد خوبصورتی میں مناسبت تھی۔ وُہ دیکھ رہا تھا اور دیکھنا چاہتا تھا۔

کانگریس کے سالانہ اجتماع کے موقعے پر اُس کی صدارتی تقریر تیار تھی۔ سال رواں کیلئے کانگریس کا صدر ہونے کی حیثیت سے موجودہ سال کا پروگرام بھی اُس نے مرتب کر لیا تھا

افتادہ بہنوں کے ساتھ ملاقات کرنے کے بعد اس کو تقریر اور پروگرام میں کچھ کمی کمی سی محسوس ہونے لگی۔ مصیبت زدہ کمزور صنف کے لئے ہمدردی کا یہ خیال گھڑی کی ٹک ٹک کے وزن کے نیچے زیادہ لطیف ہو گیا۔ سامنے کی دیوار پر فنی نزاکتوں نے اس خیال کو ایک شدید جذبے میں تبدیل کر دیا اور اُس کے سامنے ہندوستان کی مظلوم عورتوں کا تخیل اس قدر وسیع ہو گیا کہ اس کو اپنی تقریر اور پروگرام پر دوسری نظر ڈالنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس نے اپنی تقریر میں عورتوں کے موضوع کو جگہ دے دی اور کانگریس کے پروگرام میں نسوانی مصیبتوں کے نام سے ایک اور دفعہ شامل کر دی۔ چندے کی فہرست میں چندے کی سب سے زیادہ رقم پچاس ہزار روپے تھی۔ اُس نے پچاس ہزار روپے کے نیچے سُرخ پنسل سے لکیر کھینچ دی۔

کلاک نے دس بجا دیئے۔

باہر چاندنی تھی۔ چاندنی میں اُونچے اُونچے ناریل کے درخت تھے۔ درختوں میں بیضوی شکل کے بڑے بڑے ناریل تھے، سمندر تھا۔ سمندر میں موسیقی تھی اور موسیقی میں راحت تھی۔

وہ دریچے کے پاس کھڑا تھا

گویا افتادہ بہنیں اُس کے سامنے کھڑی تھیں۔ زرد چہرے، بال کھُلے، لباس ماتمی، آنکھوں میں آنسو۔ سمندر کی موجیں ریت کے چمکدار ذرّوں کی سیڑھیوں سے اُن کے پاؤں چومنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

کمرے کا عقبی دروازہ کھُلا۔ ملازم اندر داخل ہوا۔

"آپ سے ایک عورت ملنا چاہتی ہے۔"

"عورت"

"جی"

"میں نے تم سے کہا تو تھا۔ میں اب کسی سے ملنا نہیں چاہتا۔"

"میں نے اُس کو بہت سمجھایا۔ رات بہت گذر چکی ہے۔ ملنے کے لئے یہ اچھا وقت نہیں۔ وہ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ پھر تم سے تو وہ ملنے کے لئے کبھی رضامند نہیں ہوں گے۔ اب آدھی رات کے وقت! ایک عورت سے ملاقات! میں نے تو ڈرتے ڈرتے اور بھی بہت کچھ کہہ دیا۔ شاید وہ خفا بھی ہو گئی ہو۔ میں نے کہا۔ اگر کوئی سادہ جیسی عورت ہوتی تو کوئی بات نہیں تھی۔ اُن عورتوں کی طرح سادہ جو دن کے وقت یہاں آئی تھیں۔ سُرخی، پاؤڈر، سگریٹ اور معلوم نہیں کیا کیا کچھ۔ ان تمام چیزوں کے ساتھ وہ تم سے ملنا کہاں گوارا کریں گے وہ تو ہر ولایتی بناوٹ سے نفرت کرتے ہیں ——"

لیڈر کو ملازم کا لہجہ اور لمبی تقریر پسند نہ آئی۔ اُس نے محسوس کیا کہ اگر اُس کو روکا نہ گیا تو اُس کی تقریر زیادہ لمبی اور اُس کی زبان زیادہ دراز ہو جائے گی۔

"بنسی! تم ٹھیک کہتے ہو۔ اُس عورت سے کہہ دو۔ میری طبیعت اچھی نہیں ہے۔ اُس کو اس وقت ہرگز ——"

لیکن دروازہ کھلا۔ ایک عورت اندر آ کر دروازے کے پاس کھڑی ہو گئی۔ عمر سے ادھیڑ اور کسی قدر فربہ۔ بناوٹی آرائشوں سے جوان اور بہت خوبصورت۔ لیڈر کی آنکھیں اُس کے چہرے پر پتھر بن گئیں۔ وہ پہاڑ سے لڑھک کر نیچے گرنے والے برف کے تودے کی طرح سفید ہو گیا۔ بنسی کی حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔

عورت نے تمکنت کے انداز میں کہا "ملازم! تم جاؤ۔"

دروازے پر پہنچنے تک ہنسی کی حیرت غصّے میں تبدیل ہو گئی۔ ہنسی کے چلے جانے کے بعد لیڈر کے پتھر سے بنے ہُوئے ہونٹوں میں جنبش ہُوئی۔

"عزیزہ!"

"شکریہ! آپ نے مجھے پہچان لیا۔ ۲۰ سال کی لمبی جُدائی کے بعد!"

"تم کہاں ہو؟ کیا کرتی ہو؟"

"آپ کو میری پرائیویٹ زندگی کے متعلق سوالات کرنے کا کوئی حق نہیں۔"

"بہت بدل گئی ہو، عزیزہ!"

"معاف کیجیے! میرا نام عزیزہ نہیں۔ اب میں مسز تارکا ہوں۔"

"تم نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا ہے؟ تم نے کسی ہندو سے شادی کر لی ہے، عزیزہ؟"

"نہیں، میں نے اپنا مذہب تبدیل نہیں کیا اور نہ ہی میں نے ابھی تک شادی کی ہے"

"پھر تم مسز تارکا کیونکر بن گئیں؟"

"مجھے اپنے پرانے نام سے نفرت ہو گئی تھی — عزیزہ — چھوٹا سا، معصوم سا نام جس سے کنوارپن کی بُو آتی تھی، جس میں رعنائی سموئی ہُوئی معلوم ہوتی تھی۔ رعنائی، کنوارپن، معصومیت اور چھوٹی عمر، جو عورت کو مرد کے پیروں میں روندے جانے کے لئے اُکساتے ہیں۔ اسی قسم کے سنگدل پیروں کی ٹھوکریں کھا کھا کر جب میری آنکھیں کھُلیں تو میں نے دیکھا۔ کہ شادی شدہ عورت اور غیر شادی شدہ عورت کے درمیان سوسائٹی کی بنائی ہُوئی کاغذ کی ایک نازک سی دیوار ہے جس میں میں نے جذبات کی وارفتگی میں جگہ جگہ شگاف کر دیئے ہیں۔ دیوانہ وار تلاش کے بعد میرا ہمسفر مجھے نہ مل سکا۔ میں نے غصّے کی ایک بے پناہ جنبش سے کاغذ کی اُس

دیوار کو مسمار کر دیا۔ دوسری دُنیا میں میں نے اپنے آپ کو زیادہ آزاد، زیادہ تجربہ کار اور زیادہ طاقتور پایا۔ دولت کی گھنگھور گھٹاؤں میں مجھے مذہب اور قانون کھلونے معلوم ہونے لگے میں نے اپنا نام بدل کر مذہب اور قانون کا مذاق اُڑانے کی کوشش کی ہے۔"

لیڈر کو معلوم ہو گیا کہ وُہ اُن عورتوں میں سے نہیں جو اُس کے پاس دن کے وقت وفد کی صورت میں آئی تھیں۔ اُس کے لفظوں میں طاقت تھی۔ اُس کی گفتگو میں انتقام تھا۔ رات کے ان مضمحل لمحوں میں اُس کا دماغ استدلال کی ضربیں برداشت کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔

"عزیزہ! ——"

"عزیزہ نہیں، مسز نارکا۔"

"مسز نارکا! مجھے تم سے مل کر بہت خوشی ہُوئی ہے۔ میں تم کو آزاد، تجربہ کار، طاقتور اور دولت مند دیکھ کر بہت خوش ہوں۔ مجھے افسوس ہے۔ میں تمہاری دلچسپ گفتگو سے محروم رہوں گا۔ رات بہت گذر چکی ہے اور میں ——"

وُہ بے پروا انداز میں آرام کُرسی پر جا کر بیٹھ گئی۔

"عزی —— اے —— مسز نارکا —— میں مجبور ہوں۔ میں بہت تھکا ہوا ہوں۔"

"زیادہ گذری ہوئی رات میں، تھک کر چُور چُور دماغ پر ہتھوڑے کی چوٹیں زیادہ کارگر ہوتی ہیں۔"

لیڈر سمجھ نہ سکا۔ وہ سمجھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ پھر بھی اُس نے دو تین لمحے اُس کو سمجھنے میں صرف کر دیئے اور جب وُہ پھر بھی نہ سمجھ سکا۔ تو اُسے افسوس ہوا کہ اُس نے نیند کے بہت قیمتی لمحے ضائع کر دیئے۔

"تم کیا کہنا چاہتی ہو، مسز نارکا؟"

"سید رؤف! میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا یہ سچ ہے۔ آپ عصمت فروشی کے خلاف ایک مستقل تحریک شروع کرنے والے ہیں؟ اور آپ کل کے اجلاس میں پبلک کو اپنے ارادے سے مطلع کریں گے؟"

"ایک رہنما کی حیثیت سے یہ میرا اخلاقی فرض ہے، مسز تارکا!"

"رہنما!"

طنز کے زہریلے اثرات کو چھپا لینے کی کوشش میں لیڈر کی نظریں اضمحلال کے ایک احساس کے ساتھ عزیزہ کے چہرے سے پاؤں کی طرف سفر کر گئیں اور اُس کے دائیں پاؤں کے انگوٹھے کے پاس گڑھا کھود کر زمین میں دفن ہو گئیں۔ خاموشی کے اس جانکن وقفے نے حالات کی نزاکت کو کسی قدر ملائم کر دیا۔

"تم اس تحریک کو پسند نہیں کرتیں؟ عزیزہ!"

"مجھ کو اُفتادہ بہنوں سے بہت ہمدردی ہے۔"

"اس لئے اس تحریک میں تم میرے ساتھ ہو؟"

"اس لئے میں اس تحریک کو حقارت کی نظر سے دیکھتی ہوں۔"

"لیکن — لیکن —"

"میں عورتوں کے معاملات میں مرد کے دخل کو برداشت نہیں کر سکتی۔"

"کیوں؟"

"مرد کے نزدیک عورت کی نجات اُس کی غلامی میں ہے۔"

"تم شادی کے رشتے کو غلامی کہتی ہو، عزیزہ؟"

"ایسی نظروں سے جو دلوں کے آر پار ہو جایا کرتی ہیں، عزیزہ نے لیڈر کی طرف دیکھا

"——یہ تم بول رہے ہو؟ تم؟ سید رؤف!"

سید رؤف کا سر جھک گیا۔

پھر جب دوسری دفعہ اُس کو آنکھیں اُٹھانے کی جرأت ہوئی تو اُس کی نظریں کلاک کی طرف چلی گئیں۔

"بہت رات گذر چکی ہے عزیزہ!"

"عزیزہ! عزیزہ! عزیزہ! اُف مجھے کتنی نفرت ہے اس نام سے۔ میں تمہیں کس طرح بتاؤں کہ میرا نام عزیزہ نہیں۔ میں مسنر تار کا ہوں۔ جب میں تم کو سید رؤف کہتی ہوں رؤفی نہیں کہتی۔ پھر تم مجھے عزیزہ کیوں کہتے ہو۔ مسنر تار کا کیوں نہیں کہتے۔ ۲۰ سال پہلے تم رؤفی تھے۔ میں عزیزہ تھی۔ اب تم سید رؤف ہو۔ میں مسنر تار کا ہوں۔"

لیڈر اپنے دائیں ہاتھ کی پہلی اُنگلی سے اپنے انگوٹھے کے ناخن کو زور زور سے رگڑنے لگا۔ اُس کی آنکھیں کشمکش کے اس نظارے کو بے چینی سے دیکھتی تھیں۔ گویا وہ کسی سوال کا جواب چاہتی ہیں۔

"تم جا سکتی ہو مسنر تار کا!"

وہ آرام کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی

"ہاں میں جا رہی ہوں!——"

آنے والی راحت کے احساس کو دکھانے کے لئے وہ کھڑکی سے سوئچ بورڈ کی طرف چلا گیا۔ اُس نے کمرے کے سب سے بڑے درمیانی بلب کو بجھا دیا۔ اب کمرے کے اندر ایک کونے میں صرف ایک ٹیبل لمپ روشنی دے رہا تھا۔ سامنے کی دیوار پہ وہ ہندو دوشیزہ کی تصویر پھیکے پھیکے اندھیرے میں ڈوب گئی۔ وہ صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔ اُس کے پیچھے کھڑکی کے

پردے ہوا میں کسی دیوانے آدمی کے قہقہے کی طرح پھڑپھڑا رہے تھے۔

"آپ کو اپنی نیند کی فکر دامنگیر ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ دُنیا میں ایسے بھی ہیں جنکے نزدیک رات کی نیند پھٹکتی بھی نہیں؟"

"میں جانتا ہوں"

"کون؟"

"میں"

"اور کوئی نہیں؟"

لیڈر ایک نامعلوم جذبے کے ساتھ کرسی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور جذبات سے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے عزیزہ کی طرف جانے لگا۔ عزیزہ اُس سے دُور رہنے کے لیے پیچھے کیطرف ہٹنے لگی ٹیبل لمپ کی روشنی میں پہنچ کر وہ میز کے پاس کرسی پر بیٹھ گئی۔ لیڈر کرسی کے بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر اُس کے اُوپر جُھک گیا۔

"کیا کہتی ہو؟"

"میں کہتی ہوں۔ نیند سے محروم رہنے والے تم ہی نہیں ہو۔ اور بھی ہیں!"

"کون؟ — تم؟ — سچ کہتی ہو؟ — تم آج یہاں کیوں آ گئی ہو، عزیزہ! — بھرے ہوئے زخموں کو ہرا کرنے سے کیا فائدہ؟ — میں نے تم کو بھلانے کی بے حد کوشش کی — ۲۰ سال تک — اس رات کے اس لمحے تک میں کامیاب رہا — اور کامیاب رہنا چاہتا تھا — عزیزہ! تم آج یہاں کیوں آ گئی ہو — عزیزہ! عزیزہ — !"

عزیزہ کا چہرہ غصّے سے لال ہو گیا۔

"سیّد رؤف! بکواس بند کرو! زبان کو قابو میں رکھو! مجھ سے دُور ہٹ جاؤ۔ میں کانپ رہی ہوں۔ میرا دایاں ہاتھ میرے قابو سے باہر ہے۔ میں ایک زہریلی عورت ہوں"

اُس نے کُرسی کے بازوؤں سے ہاتھ اُٹھا لئے اور اپنے کھسیانے پن کو عزیزہ کی تیز نظروں سے چھپانے کے لئے ایک کھڑکی میں پناہ لی — عزیزہ نے اُسی غصّے کے انداز میں کہا

"بیس سال تک — بیس سال کے طویل عرصے تک — ایک ایک لمحہ — ہر ہر لحظہ — صُبح سے شام — شام سے صُبح — میں تُم سے نفرت کرتی رہی ہوں نفرت کرتی ہوں اور نفرت کرتی رہوں گی — بیس سال تک — بیس سال کے طویل عرصے تک — ایک ایک لمحہ — ہر ہر لحظہ — صُبح سے شام — شام سے صُبح — تمہاری یاد میرے پہلو میں کانٹا بن کر کھٹکتی ہے اور کھٹکتی رہے گی — رؤف! تو اس دُنیا کی بدترین ہستی ہے! — تیرا ہر رونگٹا دوزخ کی آگ کا انگارہ ہے — تیری شہرت — تیری عظمت — تیری ہردلعزیزی — دُکھے ہُوئے دلوں کے بے شمار ناسُور ہیں — آج تو نے میری سوئی ہوئی آگ کو پھر جگا دیا ہے۔ آج تو میرے جذبات کے ساتھ پھر کھیلنا چاہتا ہے۔ اُنہیں الفاظ کیساتھ اُنہیں جذبات کیساتھ اُسی شدت سے۔ اُسی انداز سے —"

— وُہ آرام کُرسی پر آبیٹھا۔

خاموشی۔ خاموشی۔ اور پھر —

"میں غلط فہمی کے لئے شرمندہ ہوں مسز تارکا! مجھے تمہاری گالیوں سے راحت ہوتی ہے"۔

وُہ اُٹھ کر ٹہلنے لگی۔ اس طرح شاید اس کے غصّے کی شدت میں کمی واقع ہو گئی۔

"میں نے کہا تھا تمہیں رات کو نیند نہیں آئے گی۔ کیونکہ تم سمجھتے ہو کہ انڈین نیشنل کانگریس کے صدر ہونے کی حیثیت سے تمہارے اوپر تمہاری قوم کی اتنی ذمہ داریاں ہیں۔ کہ ان کا بوجھ تم کو سونے نہیں دیتا اور میں رات کو نیند سے محروم رہوں گی۔ کیونکہ کانگریس کی آئندہ پولیسی جس کی بنا تم کل کے اجلاس میں رکھنے والے ہو۔ میرے مستقبل کے لئے موت کا پیغام ہے۔"

"مسز تارکا! میری کانگریس کے پروگرام میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے کسی جماعت کے کسی فرد کو نقصان پہنچے۔"

"انہوں نے میرے خلاف بغاوت کی ہے۔"

"کس نے؟"

"جن کو تم گری ہوئی بہنیں کہتے ہو۔"

"گری ہوئی بہنیں!"

"وہ میرا سرمایہ ہیں۔ وہ میری زندگی ہیں۔ اگر تم ان کو مجھ سے چھین لوگے۔ تو میں تباہ ہو جاؤں گی۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"وہ بازار میں کھڑی ہو کر اپنی عصمت بیچتی ہیں اور میں اُن کے پیچھے کھڑی ہو کر اُن کو بیچتی ہوں۔"

لیڈر کو زیادہ حیرت نہیں ہوئی۔ وہ اُس کی گفتگو سے پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ ایسی ہی عورتوں میں سے کوئی ہو سکتی ہے

"تم عصمت فروشی کی تجارت کرتی ہو؟"

"مسنر تارکا ز بال روم، مسنر تارکا ز کباڑے، مسنر تارکا ز ڈانسنگ ہال، مسنر تارکا ز بیوٹی ٹریٹمنٹ، مسنر تارکا ز اورکسٹرا، مسنر تارکا ز میوزک کلاسز، مسنر تارکا ز مساج انسی ٹیوشن ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں میرے مرکز کھلے ہوئے ہیں۔ میں نے ہندوستانی حُسن فروشی کو مہذب مغربی انداز پر تنظیم دینے کی کامیاب کوشش کی ہے اور اب یہ ذلیل پیشہ ذلیل بستیوں سے نکل کر معزز سطح پر آگیا ہے۔ میں اپنی ملازموں کو اتنی ہی تنخواہ دیتی ہوں جتنی کوئی یورپین سٹینو ٹائپسٹ کسی اوفس سے لیتی ہوگی اور جتنی ہمارے گریجوایٹ کلرکوں کو ریلوے کے دفتروں سے ملتی ہے۔ یعنی ۵۰ روپے سے لیکر ۱۵۰ روپے تک"

لیڈر کے لئے یہ باتیں حیرت انگیز تھیں۔ وہ کرسی سے اُٹھ کر سوئچ بورڈ کے پاس گیا اور کمرے کا سب سے بڑا مرکزی بلب روشن کر دیا۔ کمرے کے وہ کونے جن میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اُجالے میں آگئے۔ عزیزہ ٹیبل لمپ کی روشنی میں بیٹھی تھی۔ ٹیبل لمپ کا شیڈ ٹیبل لمپ کی روشنی کو یکجا کر کے عزیزہ کے چہرے پر پھینک رہا تھا جس طرح سامنے کی دیوار پر پھانسی کے دیئے اپنی ضَو ہندو دوشیزہ کے چہرے پر بکھیر رہے تھے۔ لیڈر نے ایک لمحہ دریچے میں سے باہر دیکھا۔ ہلکی نیلی چاندنی گہرے نیلے سمندر سے کھیل رہی تھی ہلکی نیلی چاندنی اور گہرا نیلا سمندر! وہ پلٹ کر دہلیز کے سہارے کھڑا ہو گیا۔ ٹیبل لمپ کے شیڈ نے ٹیبل لمپ کو سرچ لائٹ بنا دیا۔ سرچ لائٹ عزیزہ کے جسم کے ایک ایک کونے میں پہنچ گئی۔ دماغ کے پہاڑوں میں۔ دل کے غاروں میں۔ جگر کی وادیوں میں۔ اُسے یاد ہے پہلے وہاں ایک سرسبز وسیع میدان تھا۔

"مجھے تمہارے ساتھ ہمدردی ہے مسنر تارکا"

"کیا میں اُمید کر سکتی ہوں کہ آپ کانگریس کے ہونے والے اجلاس میں عورتوں کے متعلق

کوئی ریزولیوشن پیش نہیں کریں گے"۔

"کانگریس کے ہونے والے اجلاس میں عورتوں کے متعلق ریزولیوشن پیش ہوگا"۔

"آپ کو مجھ سے اتنی ہمدردی ہے کہ آپ مجھ کو تباہ کرنے پر آمادہ ہیں"۔

"تم مسز تارکا ہو"۔

"آزاد، تجربہ کار، طاقتور اور دولتمند"۔

"گری ہوئی بہنوں میں سے ایک"۔

"سید رؤف! تم کو میری شخصیت کے متعلق رائے زنی کا کوئی حق نہیں۔ تمہارے اور میرے زندگی کے نظریوں میں فرق ہے۔ جس فرق کی بناء پر تم مجھے گری ہوئی کہتے ہو۔ اُسی فرق کی بناء پر میں تم کو گرا ہوا کہہ سکتی ہوں۔ تمہاری سوسائٹی کے فیصلے عجیب ہیں۔ اگر عورت اپنے پاؤں پر کھڑی ہو تو وہ اُس کو گری ہوئی کہتی ہے اور اگر عورت اپنے آپ کو مرد کے پیروں کی ریکھا سمجھے تو وہ اُس کو سربلند سمجھتی ہے۔ تمہاری سوسائٹی کی یہ کھوکھلی بنیادیں ایک دن تمام عمارت کو منہدم کر دیں گی ——"

تاکہ اُس کے غصے میں اضافہ ہو جائے، وہ کرسی سے اُٹھ کر ٹہلنے لگی۔

"اُف! .... تمہاری بھدی شکل .... مجھے تم سے .... میں .... میں چاہتی ہوں .... اگر میرے پاس ریوالور ہوتا تو میں تم کو شوٹ کر دیتی .... اور .... اور ۲ سال کی انتقام کی بھڑکتی ہوئی آگ بجھ جاتی ——"

وہ کرسی کی بیک کو پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"تم جیسی ذلیل ہستی کے پاس زیادہ دیر تک ٹھہرنا میں اپنی ہتک سمجھتی ہوں۔ میں جاتی ہوں"۔

وہ دروازے کے پاس پہنچ کر ٹھہر گئی اور پلٹ کر کہنے لگی

"لیکن جانے سے پہلے میں کچھ پوچھنا چاہتی ہوں"۔

"پوچھو"۔

لیڈر اپنے آپ کو فارغ سمجھ کر آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔

"میں پوچھنا چاہتی ہوں۔ تم گری ہوئی بہنوں کو اُٹھانے کیلئے کیا کیا طریقے استعمال کرو گے؟"

"میں پبلک میں اس کے خلاف پراپیگنڈہ کر کے اپنی کانگریس منسٹریوں کے نام احکام جاری کروں گا کہ وہ تمام ایسے ادارے بند کر دیں جو ہمارے اخلاق کے لئے مُضر ہیں"۔

"میری تحریک لوگوں میں زیادہ مقبولیت حاصل کرے گی"۔

"تمہاری تحریک؟"

"میں کل کو تمہاری تحریک کے خلاف ایک تحریک قائم کرنیوالی ہوں"۔

"لیکن ——"

"اور کامیابی کا سہرا ہم دونوں میں سے کس کے سر ہوگا۔ میں جانتی ہوں"۔

"کس کے سر؟"

"میرے"۔

"کیوں؟"

"تمہاری تحریک لوگوں کے چندے کی محتاج ہے۔ میرے پاس اپنی تحریک کے لئے بے اندازہ روپیہ ہے"۔

"کیا پچاس ہزار روپے اس تحریک کے لئے کافی نہ ہوں گے؟"

"پچاس ہزار روپے۔"

"چندے کی فہرست میں سب سے زیادہ رقم پچاس ہزار روپے ہے۔ میں نے وہ رقم اس تحریک کے لئے وقف کر دی ہے۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ آہستہ آہستہ کمرے کے درمیان میں آگئی۔

"کیا میں جان سکتی ہوں۔ کانگریس کو پچاس ہزار روپے دینے والا کون ہے؟"

"کیا ضرورت ہے؟"

"میرا خیال ہے۔ میں اُس کو جانتی ہوں۔ اُس نے آج صبح پچاس ہزار روپے کے چیک کا ذکر کیا تھا۔"

وہ اُٹھا میز کے پاس گیا۔ دراز کھولی۔ فہرست نکالی اور پڑھنے لگا

"حکیم جی لقمان جی اینڈ کو۔"

"حکیم جی لقمان جی اینڈ کو کا نوجوان پروپرائٹر، ابراہیم جی!"

"وہ آج دن کو مجھ سے ملنے آیا تھا۔"

"وہ اب بھی نیچے کار میں میرا انتظار کر رہا ہے۔ وہ مجھے اپنی کار میں یہاں لایا تھا۔ وہ جھوٹا ریاکار! وہ کمینہ دغاباز!"

"کیوں گالیاں دیتی ہو؟"

"وہ میرے بغیر ایک منٹ نہیں رہ سکتا۔ اُس نے مجھے اپنی ایک پوری بلڈنگ رہنے کے لئے دے رکھی ہے۔ وہ میری وجہ سے تمام شہر میں بدنام ہے۔ وہ مجھ پر ہزار جان سے نثار ہے۔ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"نوجوان خون نے اُسے اندھا کر دیا ہوگا؟"

"نہیں وُہ اسمبلی میں ایک سیٹ کے لئے مرتا ہے"۔

"لیکن اسمبلی سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"دراصل وُہ میرے رسوخ اور میری دولت سے محبت کرتا ہے۔ میرا رسُوخ اور میری دولت اُس کے لئے ووٹر پیدا کر سکتے ہیں۔ غالباً اُس کو میری وراثت کا بھی لالچ ہے۔ میں بلبئی کے سب سے زیادہ امیر انسانوں میں سے ہُوں۔ میرے پاس بمبئی میں ۲۴ شاندار بلڈنگیں ہیں بے شمار لمیٹڈ کمپنیوں میں میں حصّوں کی مالک ہوں۔ مسز تار کا کے نام سے ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں میرے ادارے کھُلے ہُوئے ہیں۔ میں نے کبھی اندازہ نہیں لگایا کہ مجھے کتنی آمدنی ہے۔ لیکن میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ میری آمدنی تین لاکھ روپے سالانہ سے کم نہیں۔ یقیناً اس کو اُمید ہوگی کہ میں اس سے پہلے مر جاؤں گی ——"

لیڈر کے سنجیدہ چہرے پر بہت دیر کے بعد معمولی تبسّم آیا۔

"—— سیّد رؤف اپنے آپ کو دھوکا مت دو۔ اُس نے کانگریس کو پچاس ہزار روپے کی گراں قدر رقم اس لئے نہیں دی کہ وُہ قوم کا سچا ہمدرد اور خیر خواہ ہے۔ بلکہ اس لئے کہ ایسا کرنے سے وُہ آئندہ الیکشن میں کانگریس کے ٹکٹ پر اسمبلی کے لئے اُمیدوار کھڑا ہونے کا خواہشمند ہے اور اگر کانگریس نے اس سلسلے میں اس کی کوئی مدد نہ کی تو مت بھُولو کہ اُس نے کانگریس کو پچاس ہزار روپیہ کا چیک دیا ہے۔ روپے نہیں دیئے۔ میں اس کے پروگرام سے واقف ہوں۔ وُہ اس چیک کو منسوخ کر کے یہی رقم مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑا ہونے کے لئے مسلم لیگ کو ادا کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہے!!

"ہوں!"

"بہر کیف میں خوش ہوں کہ تمہاری تحریک میرے رحم پر ہے۔ رنہا ہے چندے کا سرچشمہ

میرے قبضے میں ہے۔ تمہاری شکست میرے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ میں آنکھ کے ایک اشارے سے پچاس ہزار روپے کا وہ چیک منسوخ کرا سکتی ہوں"۔

"پھر تم ایک کمزور کردار کے آدمی سے اتنی دلچسپی کیوں رکھتی ہو؟"

"کیونکہ میں ایک طاقتور شخصیت کی عورت ہوں اور ہر اُس انسان کو پسند کرتی ہوں جو میرے پاؤں کی ٹھوکر کو خندہ پیشانی سے برداشت کر کے میرے لئے راستہ چھوڑ دے"۔

"اگر حکیم جی لقمان جی اینڈ کو کے نوجوان پروپرائٹر کو معلوم ہو جائے کہ تم اُس کے متعلق اتنی بُری رائے رکھتی ہو تو کیا پھر بھی وہ تمہارے اشاروں پر رقص کرنا گوارا کرتا رہے گا؟"

باہر سے آواز آئی

"نہیں!"

دروازہ کھلا۔ حکیم جی لقمان جی اینڈ کو کا نوجوان پروپرائٹر اندر آگیا۔ وہ ایک سیاہی مائل سُوٹ میں تھا۔ اُس کی حرکتوں میں ایکٹروں کا سا انداز ہے۔

لیڈر اُٹھ کھڑا ہوا۔ مسز تارکا ٹیبل لیمپ کی روشنی میں میز کے پاس کرسی پر بیٹھ گئی۔

"سید رؤف! میں نے کانگریس کو پچاس ہزار روپے کی گراں قدر رقم مسز تارکا جیسی بدمعاش عورتوں کو نابود کرنے کے لئے دی ہے اور جب تک آپ کو آپ کے اخلاقی جہاد میں پوری کامیابی حاصل نہ ہو جائے، میں کانگریس کو اس سے بھی بڑی بڑی رقمیں دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ مسز تارکا جیسی جھوٹی ریاکار! کمینی دغاباز عورتیں!"

مسز تارکا کی نظریں نیچی ہو گئیں۔

لیڈر کے منہ سے ایک لمحہ تک ایک لفظ نہ نکلا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ دیر سے یہاں ہیں"۔ آخر لیڈر نے کہا: "آپ اندر کیوں نہ آگئے

مسٹر ابراہیم جی!"

"میں برآمدے میں آپ کی باتیں سُن رہا تھا۔ اُس مکار عورت کی باتیں۔"

"مسز تارکا نے مجھے بتایا ہے کہ آپ اُن کو اپنی کار میں یہاں لائے ہیں۔" لیڈر نے کرسی پیش کرتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال تھا کہ میں اُس سے محبت کرتا ہوں۔" وہ بیٹھنے کی بجائے کرسی کی بیک پکڑ کر کھڑا رہا۔

"صرف خیال؟"

"صرف خیال۔ جذبہ نہیں۔ خیال ایک کھلونا ہے جو ہمارے دماغ میں ہمارے ہاتھوں سے بنتا ہے۔ وہ ہماری اپنی آفرینش ہے۔ ہم کو اُس پر پُورا اختیار رہتا ہے۔ ہم جب تک چاہتے ہیں۔ اُس کھلونے کے ساتھ کھیلتے ہیں اور جب اُس سے سیر ہو جاتے ہیں تو اُس کو توڑ پھوڑ کر پھینک دیتے ہیں اور جذبہ فطرت کا ایک تقاضا ہے۔ وہ کبھی کبھی زلزلے کی طرح آتا ہے۔ اور ہمارے جسمانی قوٰے کی تمام عمارتوں کو بُنیادوں سے ہلا کر اُکھاڑ پھینکتا ہے۔ وہ ہماری خودداری کے شیرازے کو اس قدر نقصان پہنچاتا ہے کہ ہم اپنے محبوب کے پاؤں کی ٹھوکر کو خندہ پیشانی سے برداشت کر کے اس کے لئے راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔"

لیڈر نے فتح کے ایک مبہم سے احساس کے ساتھ مسز تارکا کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے بائیں ہاتھ کی کہنی کو میز پر رکھ کر اپنا سر ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھے ہوئے بے پروائی سے بیٹھی تھی۔ اُس نے لیڈر کی نظروں کا جواب دینے کی پروا نہیں کی۔

"اور اب آپ کا کیا خیال ہے؟ مسٹر ابراہیم۔"

"اور اب میں سمجھ گیا ہوں کہ مسز تارکا ایک بازاری عورت ہے۔ صرف ایک بازاری

عورت!"

"مسز تارکا کے اُن الزامات کے متعلق جو اُنہوں نے تمہارے خلاف قائم کئے ہیں۔ آپ کیا کہتے ہیں؟"

"مسز تارکا نے میرے متعلق حقیقت بیان کی ہے۔ مجھے دو قسم کی زندگیاں بہت مرغوب ہیں۔ محبت کی زندگی اور سیاست کی زندگی۔ ہمیشہ محبت کی دُنیا میں رہنا اور ہمیشہ سیاست کی دُنیا میں رہنا۔ دونوں زندگیوں کی سب سے بڑی خوبی تلوّن ہے۔ ایک عورت تسکین نہیں دیتی۔ تو دُوسری مل جاتی ہے۔ ایک پلیٹ فارم پسند نہیں آتا تو دُوسرا موجود ہوتا ہے یعنی محبت اور سیاست میں ہر ایک چیز جائز ہے۔ محبت اور سیاست میں میرے مخصوص انفرادی نظریوں کو جو ایک مدّت سے مذہب اور سوسائٹی کی قید سے معذور رہیں، پناہ مل سکتی ہے میں شہرت کا دلدادہ ہوں۔ دولت سے اسمبلی اور اسمبلی سے شہرت، بیسویں صدی کی تاریخ میں سب سے زیادہ اُبھرے ہوئے نقوش ہیں میں قدموں کے انہیں نشانوں پر چلنا چاہتا ہوں میں نے کانگریس کو پچاس ہزار روپے اس لئے دیتے ہیں کہ میں اُس کے ٹکٹ پر اسمبلی میں پہنچ سکوں۔ اسمبلی میں پہنچ کر شہرت صرف چند قدم آگے رہ جاتی ہے۔ کسی نامور پروفیسر سے دس تقریریں ۵۰ روپے فی تقریر کے حساب سے لکھوا کر اسمبلی کی سٹیج پر ایکٹ کر دینا کافی ہے اور یہ بھی دُرست ہے کہ اگر کانگریس اس معاملے میں میری مدد نہ کرتی۔ تو میں یہی چیک منسوخ کر کے مسلم لیگ کو دے دیتا۔ لیکن اب میں محسوس کرتا ہوں کہ میری منزل کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ مسز تارکا ہے۔ اور میں خوش ہوں کہ انڈین نیشنل کانگریس کا پریذیڈنٹ اخلاقی وجوہات کی بنا پر مسز تارکا کو کُچل ڈالنے کا ارادہ کر کے میرے خلاف ہونے والے پراپیگنڈے کے سرچشمے کو نابود کرنے پر آمادہ ہے۔ میری دولت کے خزانے اُس کے لئے کُھلے ہیں۔"

لیڈر کے ہونٹوں پر ابراہیم کی گفتگو کے فصیح اور غیر مبہم انداز سے تبسم آ گیا
"میں مسز تارکا کو صرف یہ بتلانے آیا تھا کہ میں جا رہا ہوں"۔
"کیا آپ مجھے کچھ کہنے کی اجازت نہیں دیں گے ؟ مسٹر ابراہیم"۔
"کہئے"۔
"روشن پہلو کے علاوہ ہر ایک چیز کا ایک تاریک پہلو بھی ہوتا ہے۔ میری تحریک کا بھی"۔
"کیا ؟"
"مسز تارکا تباہ ہو جائیں گی"۔
"بڑا اچھا ہو گا"۔
"نہیں، ابراہیم، یہ انسانیت سے بعید ہے"۔
"ہونے دو"۔
"میرے پاس ایک تدارک ہے"۔
"کیا ؟"
"شادی"۔
"کس کی شادی ؟ کس کے ساتھ شادی ؟"
"مسز تارکا کے ساتھ تمہاری شادی"۔

دردناک سسکیوں نے دونوں کو یکلخت اپنی طرف کھینچ لیا۔ مسز تارکا میز پر اپنے بازو میں اپنا چہرہ چھپائے رو رہی تھی۔ ایک لمحہ دونوں اُس کی طرف حیران نظروں سے دیکھتے رہے۔ پھر لیڈر آہستہ آہستہ جا کر مسز تارکا کے پاس کھڑا ہو گیا۔ ابراہیم کرسی کو مناسب جگہ پر کر کے اُس پر بیٹھ گیا۔ مسز تارکا کی سسکیاں زیادہ گہری ہوتی جا رہی تھیں۔ لیڈر نے

دلجوئی کے لہجے میں کہا
"ہم کو تمہارے ساتھ ہمدردی ہے، مسز تارکا۔"
مسز تارکا نے ضبط کی کوشش چھوڑ دی۔
"میں مجبور ہوں مسز تارکا۔ ہمیں اجتماعی مفاد کے لئے انفرادی قربانیاں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ مجھے تمہارے مستقبل کا پورا خیال ہے مسز تارکا۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ ہمارے اقدام کے بعد تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔"
مسز تارکا نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور بھیگی ہوئی سرخ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہنے لگی
"فریب خوردہ انسان! کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ تیری تحریک کی کامیابی مجھ کو رلا رہی ہے؟"
"تم کو ناکامی نے پاگل بنا دیا ہے مسز تارکا۔"
"میرے رونے کی وجہ تیری کامیابی نہیں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ تو ابراہیم کی مدد سے بھی کامیاب نہیں ہو سکتا — میری رونے کی وجہ — میرے رونے کی وجہ —"
جذبات نے اُس کی زبان بند کر دی۔ اُس نے پھر اپنا چہرہ اپنے بازو میں چھپا لیا۔
"— میرے رونے کی وجہ کچھ اور ہے!"
"کیا؟"
"آج — زندگی میں — دوسری دفعہ — مجھے — شادی کی خواہش محسوس ہو رہی ہے — معلوم نہیں — کیوں — معلوم — نہیں — کیوں۔"
وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
"تمہاری شادی ہو جائے گی، مسز تارکا!"
"مسز تارکا نہیں۔ عزیزہ۔ میں عزیزہ ہوں۔ مجھے عزیزہ کہو۔ روفی، عزیزہ کہو، مجھے روفی

روفی —" سید رؤف کے اوسان خطا ہو گئے۔

"میں شادی کرنا چاہتی ہوں —"

لیڈر کا حوصلہ عود کر آیا۔ اُس نے کہا

"حکیم جی لقمان جی اینڈ کو کا نوجوان پروپرائٹر تم سے شادی کرنے کے لئے تیار ہے۔

عزیزہ!

ابراہیم چونک پڑا۔ "لیکن —"

مسز تارکلا نے اپنا سر اُٹھا کر کہا۔ "لیکن میں اُس کے ساتھ شادی نہیں کر سکتی۔"

لیڈر نے پوچھا۔ "کیوں؟"

"وُہ میرا بیٹا ہے۔"

"عزیزہ!"

"میرا بیٹا اور تمہارا بیٹا!"

ابراہیم کھڑا ہو گیا۔ لیڈر لڑکھڑا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ مسز تارکلا نے اپنا چہرہ اپنے بازو میں چھپا لیا۔

"بیس سال ہوئے۔ ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ میں تمہاری شہوانی بدعنوانیوں اور اپنی معصوم غلطیوں کا بوجھ اُٹھائے پھرتی ہوں۔ تمہارے اصرار پر میں اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر تمہارے ساتھ یہاں آ گئی۔ بیکاری کے دن تھے۔ عدم تعاون کا زمانہ تھا۔ بیکاری نے تم کو جیل کی روٹیوں کی طرف دھکیل دیا۔ عدم تعاون نے تم کو لیڈر بننے کا خواہشمند بنا دیا۔ تم دو سال کے لئے قید ہو گئے۔ میں اکیلی رہ گئی۔ اجنبی اور وسیع دنیا میں اکیلی — نہیں، اکیلی نہیں — ہم دو — قانون کے مجرم۔ مذہب کے گناہگار — لیکن میں کب تک چھپتی پھرا

کرتی۔ میں نے بمبئی میں رسیوں کے سب سے بڑے سوداگر حکیم جی لقمان جی کو اپنی ساری کہانی سنادی۔ لاوارث سوداگر کو مجھ سے ہمدردی ہو گئی۔ ہسپتال میں اُس نے میرے تمام اخراجات برداشت کئے۔ میں نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو ایک ہزار روپے میں اُس کے ہاتھ بیچ دیا۔

ایک ہزار روپے سے شروع کی ہوئی بزنس تین لاکھ روپے سالانہ کی آمدنی تک پہنچ گئی — دس دن کا معصوم بچہ بڑا ہوتے ہوتے بیس سال کا ہو گیا۔ حکیم جی لقمان جی اینڈ کو کا نوجوان پروپرائٹر ابراہیم۔"

بےچین، رُوح فرسا خاموشی کمرے میں چھا گئی۔

آخر لیڈر نے محسوس کیا کہ زیادہ لمبی خاموشی واقعات کو اُس کے اور بھی زیادہ خلاف کر دے گی۔

"ابراہیم—"

ابراہیم نے کرسی کی بیک پر ایک مضبوط گرفت کے ساتھ اور ایک انتہائی تند آواز میں کہا

"سید رؤف! تم ایک معصوم ہستی کو گناہوں کے غار میں دھکیلنے کے ذمہ دار ہو۔ تم سے انتقام لیا جائیگا۔"

"ابراہیم! تم اتنی جلدی ایک آوارہ عورت کی باتوں پر—"

"کمینے سید! اب جھوٹ بول کر اپنے جرم میں اضافہ مت کر۔ مجھے معلوم ہے کہ میں حکیم جی لقمان جی کا بیٹا نہیں ہوں۔ میں کسی غیر معلوم عورت سے خریدا گیا تھا اور پھر تو نے خود اپنے جرم کا اقرار کیا ہے۔ تھوڑی دیر ہوئی۔ تو اُس کرسی کے بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر مسز تارکا پر جھکا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا — عزیزہ! تم کیوں آگئی ہو۔ بیس سال سے میں

تم کو بھلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ تم نے پھر زخم ہرے کر دیئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ میں نے اس جذباتی سین کی فوٹو لے لی ہے۔ کانگریس کو جو پچاس ہزار روپے کا جو چیک دیا گیا تھا منسوخ کیا جاتا ہے۔ اب یہ پچاس ہزار تیرے خلاف پراپیگنڈہ کرنے میں صرف ہوں گے ہندوستان کے تمام اخبارات میں اس فوٹو کے ساتھ تیرے مکروہ کردار کے متعلق مضامین شائع کئے جائیں گے۔"

لیڈر کا سر صوفے کی بیک پر گر پڑا۔

مسز تارکا اپنا سر اٹھائے ابراہیم کی گفتگو سن رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو خشک ہو گئے تھے۔

ابراہیم نے مسز تارکا کی طرف ملامت سے دیکھتے ہوئے کہا

"مسز تارکا اب تم خوش ہو؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ تم مجھے مسز تارکا کہتے ہو۔ ماں نہیں کہتے۔"

"میں اپنی ماں کی تلاش میں نہیں تھا۔ تم یہ کہانی نہ سناتیں تو اچھا تھا۔"

"کیا کہتے ہو، ابراہیم؟"

"تم نے میری زندگی دشوار کر دی ہے۔ اب مجھے اسمبلی کے لئے ایک ووٹ بھی نہیں مل سکے گا۔"

وہ باہر چلا گیا۔

"ابراہیم! ابراہیم!" وہ چلاتی ہوئی اس کے پیچھے بھاگی۔ لیکن وہ دروازے کے

پاس جاکر کھڑی ہوگئی

"سیّد!"

وُہ ابھی تک صوفے کی بیک پر سر رکھے ہوئے پڑا ہے۔ اُس کی آنکھیں بند ہیں۔

"سیّد! تیرا چلایا ہوا تیر اب میرے دل کی گہرائیوں سے بھی آگے چلا گیا ہے۔ اور درد کی تمام شدّتوں کو فتح کر لینے کے بعد آج ایک دفعہ پھر مجھے درد کی کسک محسوس ہو رہی ہے ۔۔۔ لیکن میں پھر بھی مطمئن ہوں۔ میرے سینے میں انتقام کی آگ بھڑک بھڑک کر سرد ہو گئی ہے۔ میں نے اپنی پیاس بجھالی ہے ۔۔۔ سُن! اسیّد! سُن! میری راحت کو چھین لینے والے! میری تسکین کو برباد کر دینے والے! میں نے بھی تیری شہرت، تیری عظمت، اور تیری عزت کو خاک میں ملا دیا ہے ۔۔۔"

وُہ اسی طرح بے جان بے حرکت پڑا ہے۔

"کل الفنسٹن کالج، کلکتے کے الفنسٹن ہوسٹل سے، تیری لڑکی ایک ہندو لڑکے کے ساتھ بھاگ کر میرے پاس آئی۔ آج صُبح گیارہ بجے میں نے اُن کی سول میرج کروا دی ہے ۔۔۔ مسنز تارکا باہر چلی گئی۔

ایک زلزلے کی طاقت کے صدمے نے اُس کی آنکھیں کھول دیں۔

کمرے کے اندر زرد زرد روشنی میں نیلا نیلا غبار اڑ رہا تھا۔ کمرے کی تمام چیزیں ٹوٹ پھوٹ کر اس زردی مائل نیلے غبار میں تیرتی پھر رہی تھیں۔ ہولے ہولے زرد روشنی نیلے غبار میں مدغم ہوگئی۔ فضا میں ازل کی صُبح کا دھندلکا نمودار ہو گیا۔ ہر چیز خلا کی غیر محدود وسعت میں حلول ہو گئی۔ صرف ایک چیز نظر آرہی تھی ۔۔۔ دُور ۔۔۔ ہزاروں میل کے فاصلے پر ۔۔۔ مدھم مدھم ۔۔۔ بانس کے دئیوں کی روشنی میں ایک ہندو دوشیزہ کا چہرہ ۔۔۔ صرف چہرہ ۔۔۔ اور کچھ نہیں۔

آغاز

"وُہ آ رہے ہیں۔"

"کون؟"

"ارشد بھیا اور بہن صغریٰ۔"

"کیوں؟"

"سُنا ہے اُن کے لڑکے واحد کو کمیشن مل گئی ہے اور وُہ ریزرو فورسس میں سیکنڈ لفٹیننٹ بن کر لاہور جا رہا ہے۔"

"پھر؟"

"وُہ جانے سے پہلے اُس کی شادی کر دینا چاہتے ہیں۔"

پروفیسر خیال پر اس خبر نے کچھ اثر نہیں کیا۔ وُہ بدستور میز پر جھکا ہُوا لکھتا رہا۔ اپنی

بیوی کی باتیں اُسے دخل در معقولات معلوم ہوتی تھیں۔ اُس کے ایک ایک لفظ کے فقرے تبلاتے تھے کہ وُہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا اور اپنی بیوی کے عتاب میں آنے سے بھی ڈرتا ہے۔ اُس کے سامنے میز پر کتابوں کا بے ترتیب انبار تھا۔ اُن کو ترتیب دینے کے لئے اُس کے پاس وقت نہیں۔

سامنے دیوار میں تینوں دریچوں میں سے باغ کا کچھ حصّہ نظر آتا ہے۔ دریچوں کے اُوپر کا حصّہ ایک درخت کی شاخوں کے سامنے ہے۔ شاخوں پر پتّے سوکھے ہُوئے ہیں۔ سوکھے ہُوئے پتّے شام کے چار بجے کے سُورج کو نظر نہیں آنے دیتے۔ سرد ہوا کے جھونکے کبھی کبھی کمرے کی خنکی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔

پروفیسر خیال کی بیوی ایک آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیا جواب دو گے؟"

"جواب دے دوں گا۔"

"جواب دے دو گے! آٹھ سال کی منگنی کو توڑ ڈالو گے۔ شرم نہیں آئے گی تمہیں لوگ کیا کہیں گے؟"

"تم میری طرف سے انکار پسند نہیں کرتیں؟"

"نہیں۔"

"تو فاخرہ انکار کر دے گی۔"

"فاخرہ انکار کرتی ہے تو کیا کرے۔ فاخرہ کو پوچھتا کون ہے! وُہ کیا جانے ان باتوں کو۔ تم نے تو شرم اتار کر پھینک دی ہے۔ کوئی لڑکی سے بھی پوچھتا ہے اُس کی شادی کہاں کی جائے۔ سر پر چڑھا رکھا ہے تم نے اُس کو۔ لوگ اُنگلیاں اُٹھاتے ہیں۔ آخر اُس کا

سشن جج کے لڑکے سرودیا پک کے ساتھ گھومنے کا کیا مطلب ہے —"

"فاخرہ بی، اے کی سٹوڈنٹ ہے۔"

"—اچھے ہیں بیچارے ارشد بھائی جو یہ سب کچھ بھی دیکھ کر بھی چپ ہیں۔ کوئی غصے والا ہوتا تو منگنی توڑ پھوڑ کر ایک طرف ہوتا۔ کہتے تھے واحد سے یہ نہیں دیکھا جاتا۔ وہ فاخرہ سے محبت کرتا ہے اور اُس سے شادی کر کے اُس کی یہ آزادیاں ختم کر دینا چاہتا ہے —"

ملازم نے اندر آ کر کہا" وہ آگئے ہیں۔"

پروفیسر کی بیوی اُٹھ کھڑی ہوئی: "وہ آگئے، اور تم نے چائے تیار کر لی ہے؟"

"تھوڑی دیر اور لگے گی۔"

"جلدی کرو اور دیکھو اُن کو جب تک یہیں لے آؤ۔"

"اے بھئی! نہیں نہیں!" پروفیسر نے بیقراری سے کہا۔ "اُن کو ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ"

ارشد اور اُس کی بیوی صغریٰ اندر آگئے۔

"اوہ! تم آگئے!" پروفیسر کھڑا ہو گیا۔ "کیسے ہو ارشد؟ اور تم بہن؟"

"شکریہ!"

وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"کیا لکھ رہے ہیں آج کل آپ؟" ارشد نے پوچھا

"ایک ڈرامہ ہے۔"

"کیا موضوع ہے؟"

"ہندو مسلم اتحاد۔"

"پلاٹ کیا ہے؟"

"جدید ادب میں پلاٹ نہیں ہوتا۔ آنے والے اور جانے والے زمانے کی کشمکش ہے۔ جانے والی دُنیا کے نظریے آنے والی دُنیا کے پیروں کے نیچے زندہ رہنے کی بیسود کوشش کرتے ہیں۔ ایک لڑکا شعور اور ایک لڑکی سمتبیہ ایک دوسرے کی محبت میں وارفتہ ہیں۔ شعور نے اپنا نام شعور اس لئے نہیں رکھا کہ وُہ ایک مسلمان لڑکا ہے۔ سمتبیہ نے بھی اپنا نام سمتبیہ اس لئے نہیں رکھا کہ وُہ ایک ہندو لڑکی ہے۔ اُنھوں نے ایسے نام محض اپنی انفرادی پسندیدگی کی بناء پر انتخاب کئے ہیں۔ سوسائٹی کی مخالفت کے باوجود ان کی شادی ہوگئی۔ مذہب کی مخالفت کے باوجود ان کی شادی ہوگئی۔ مذہب کی مخالفت کے باوجود لڑکی اپنے آپ کو مسز سمتبیہ شعور کہتی ہے اور ___"

"وہی قانون شکن خیالات!"

"بُت شکن خیالات!"

"کب سٹیج ہوگا یہ ڈرامہ؟"

"کونو دکیشن کے موقع پر۔ اور ہمارے پاس اس دفعہ قابل ایکٹروں کی ایک ایسی شاندار ٹیم ہے کہ یہ ڈرامہ ہمارے کالج میں ایک غیر فانی کارنامہ بن جائے گا!"

"کون ہیں ایکٹر؟"

"ہماری لڑکی فاخرہ اور سشن جج کا لڑکا سرو دیاپک۔"

سرد ہوا کے ایک جھونکے نے دریچوں میں سے اندر آکر فضا کو بیچین سا کر دیا۔ آخر ارشد نے کہا: "میں آپ سے فاخرہ اور سرو دیاپک کے متعلق ہی کچھ کہنے آیا تھا۔"

"کہئے!"

ملازم نے اندر آکر کہا۔ "چائے تیار ہے۔"

پروفیسر کی بیوی نے شور مچادیا: "ہاں ارشد بھیا، پہلے چائے پی لو۔ چھوڑو ان فضول باتوں کو، چلو بہن"۔

وُہ جانے کے لئے کھڑے ہو گئے۔

ارشد نے جاتے ہوئے کہا: "خیال صاحب، آپ بھی آئیے"۔

"نہیں نہیں، بھیا!" پروفیسر کی بیوی نے فوراً کہا: "رہنے دو ان کو یہیں، آج اتوار ہے۔ اتوار کے دن نہانا، شیو کرنا اور اس کرسی سے اٹھنا اُن کے لئے حرام ہے۔ ان کی چاء یہیں آجائے گی"۔

سب اندر چلے گئے۔

پروفیسر خیال بڑے انہماک سے لکھنے میں مشغول ہو گیا۔ ملازم نے آہستہ سے چائے کی ٹرے لا کر تپائی پر رکھ دی اور چلا گیا۔ کافی دیر کے بعد پروفیسر کی نظر ٹرے پر گئی۔ اُس نے ایک پیالی میں چائے بنا کر پینا شروع کر دی ــــ

یکایک دروازہ کھُلا اور پروفیسر کی بیوی گھبرائی ہُوئی اندر آئی۔

"سُنا بھی کیا ہو گیا؟"

"کیا ہوا؟"

"میں پہلے ہی جانتی تھی کہ تمہیں فاخرہ کو اتنی آزادی دینے کا خمیازہ اُٹھانا پڑے گا دیکھا وُہی ہوا نا۔ جو میں کہتی تھی"۔

"آخر ہوا کیا؟"

"وُہ چھنال پکنک پر نہیں گئی۔ اُسی دن سے سرودیا پک کے ساتھ کہیں غائب ہے"

"یعنی سرودیا پک، فاخرہ کو کہیں اغوا کر کے لے گیا ہے"۔

"نہیں فاخرہ، سرو دیا پک کو کہیں اغوا کر کے لے گئی ہے"۔

"سچ کہتی ہو؟"

"مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے"۔

"اُف! مجھے تمہاری خوشخبری سے کتنی خوشی ہُوئی ہے"۔

"خوشی!"

"کچھ معلوم ہے کہ وُہ کہاں گئے ہیں؟"

"کیوں؟"

"ممکن ہے اُن کے پاس شادی کے لئے کوئی پیسہ نہ ہو۔ میں اُن کو پانچ سو روپے ٹیلیگرام کرنا چاہتا ہوں"۔

"کیا بکتے ہو؟"

"وُہ بیچاری جانتی تھی کہ تم سرو دیا پک کے ساتھ اُس کی شادی کو پسند نہ کرو گی کتنی دبی زبان سے اُس نے سرو دیا پک سے کہا ہوگا ــــ چلو کہیں ایسی جگہ چلیں۔ جہاں ہمارے درمیان کوئی دیوار حائل نہ ہو۔ جہاں ہم آزادی سے ایک دوسرے سے محبت کر سکیں۔ جہاں مذہب اور سوسائٹی کے قوانین ہم کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نہ دیکھیں۔ جہاں نام نہاد رشتہ دار ہمارے معاملات میں دخل انداز نہ ہوں ــــ اُس آزاد فضا میں زندگی شاداب ہوتی ہے۔ رُوح کو راحت ہوتی ہے۔ دل کو تسکین ہوتی ہے۔ دماغ میں پرواز ہوتی ہے۔ انسانی قوتیں آزادی میں پرورش پا کر انسانیت کی تکمیل کرتی ہیں اور آئندہ نسلوں میں آزادی اور علوم کے لئے ایک بے پناہ تڑپ پیدا کر دیتی ہیں۔ اے لڑکی! میں تیری جرأت کی داد دیتا ہوں۔ تو نے اپنے باپ کی روایات کو زندہ رکھنے کی کوشش کی ہے

تیرا نام انسانیت کی تاریخ میں سنہری حرفوں میں لکھا جائے گا ۔۔۔۔"

"بڑی نیکی کی ہے نا اُس نے!"

"لڑکے کا لڑکی کو اغوا کر کے لے جانا معمولی بات ہے ۔ لیکن لڑکی کا لڑکے کو اغوا کر کے لے جانا معمولی بات نہیں۔"

"بڑے بے غیرت ہو۔"

"اپنے ہاتھوں سے اپنی لڑکی کو کسی دوسرے کے سُپرد کر دینا عرب میں اس قدر بڑی بے غیرتی سے بچنے کے لئے لڑکی کو پیدائش کے وقت ہی مار ڈالتے تھے ۔ میں بھی کچھ اسی قسم کی جبلّت کا آدمی ہوں ۔ اُس وقت کے تصوّر سے جبکہ مجھے اپنی فاخرہ کو کسی غیر شخص کے سپرد کرنا پڑتا ۔ میں شرم سے پانی پانی ہو جاتا تھا ۔ میری بیٹی نے مجھ کو اس بے غیرتی سے بچا لیا۔"

باہر پیروں کی آہٹ سنائی دیتی ۔

"خُدا کے لئے ان بیہودہ باتوں کو چھوڑو ۔ کسی طرح سے اُس نامُراد کو واپس لانے کا انتظام کرو اور جتنی جلدی ہو سکے ۔ واحد سے اُس کا کالا مُنہ کر دو ۔۔۔۔"

پیروں کی آہٹ زیادہ نزدیک آ گئی ۔

"۔۔۔۔ وہ آ رہے ہیں ۔ اُن کے آگے ذکر نہ کرنا۔"

ارشد اور صغریٰ اندر آ کر کرسیوں پر بیٹھ گئے ۔

"تم کدھر بھاگ گئی تھیں بہن" ۔ صغریٰ نے پروفیسر کی بیوی سے کہا ۔ "ہم چائے پر اکیلے رہ گئے۔"

"مجھے ان سے ذرا کام تھا۔"

"ارشد صاحب!" پروفیسر اپنی کُرسی کا رُخ اُنکی طرف کرکے بیٹھ گیا۔ "واحد کو کمیشن ملنا مبارک ہو، خوشخبری سے بڑی خوشی ہوئی۔"

"شکریہ!"

"اب تو ہم اس سے بڑی خوشی دیکھنا چاہتے ہیں، بھیّا!" صغریٰ نے پروفیسر سے کہا

"کیا؟"

"واحد کی شادی"۔

پروفیسر کی بیوی فوراً بولی۔ "ضرور، بہن، ضرور، کیوں نہیں۔ خُدا یہ خوشی سب کو دکھائے جب چاہو کرو۔"

"بس خیال بھیا کی ہاں چاہئے"۔

"ان کی بات بھی وُہی ہے جو میری ہے۔ ہم تھوک نہیں چاٹیں گے۔ ایک دفعہ زبان دیدی تو پیچھے نہیں ہٹیں گے"!

"تم پر تو مجھے پورا بھروسہ ہے بہن۔ لیکن خیال بھیا کچھ اکھڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں" سب پروفیسر خیالؔ کی طرف دیکھنے لگے۔ وُہ اپنے فاونٹین پن کے ساتھ کھیل رہا تھا وُہ چاہتا تھا کہ اُس کو بیچ میں نہ گھسیٹا جائے۔ چاروں طرف سے گرنے والی نظروں نے اسے بے چین سا کردیا۔ اُس کو محسوس ہوا جیسے اُس پر نزلہ گر رہا ہے۔

"کہہ بھی دو نا اب۔" پروفیسر کی بیوی نے بیقراری سے کہا۔

وُہ تو شکر ہوا کہ ملازم چائے کی ٹرے لینے کیلئے اندر آگیا اور سب کی توجہ اُس پر چلی گئی ملازم کے جانے کے بعد بالآخر ارشد نے کہا۔ "مسٹر خیالؔ! ہم واحد کے جانے سے پہلے اُس کی شادی ضرور کردینا چاہتے ہیں۔"

"ضرور کردو۔ میرج الاؤنس کیوں ضائع جائے"۔

"تو آپ رضامند ہیں"۔

"میں! بابا میری شادی تو ہو چکی ہے"۔

"مذاق چھوڑیے! میرا مطلب ہے کہ کیا آپ واحد اور فاخرہ کی شادی پر رضامند ہیں"۔

"یہ سوال تو فاخرہ سے ہو سکتا ہے"۔

"اُن کی منگنی کو آٹھ سال ہو گئے ہیں"۔

"منگنی شادی کا ارادہ ہے۔ ارادے ٹوٹ بھی تو جاتے ہیں"۔

"گویا آپ اس شادی کے حق میں نہیں"۔

"میرا خیال ہے۔ فاخرہ، واحد کو پسند نہیں کرتی"۔

"کیوں؟"

"میں نہیں جانتا۔ فاخرہ کو اس رشتے کے خلاف کیا اعتراض ہوگا۔ ممکن ہے۔ اُس کو اُس کی بدصورتی کا بھی خیال ہو لیکن میرا خیال ہے۔ سب سے بڑی وجہ اُن کے ذہنی تفاوت میں ہے۔ اُن کی طبیعتیں ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ واحد مولویانہ رجحان کا لڑکا ہے اور فاخرہ باغیانہ خیالات رکھتی ہے۔ واحد کو گالزوردی پسند ہے۔ فاخرہ برنارڈشا کو زیادہ پڑھتی ہے۔ واحد مذہب اور سوسائٹی کے قوانین کو منجمد چیزیں سمجھ کر اُن کی پابندی کا قائل ہے۔ فاخرہ کے نزدیک وُہ وقت کے ساتھ بدل جانے والی چیزیں ہیں اور اُن کی پابندی لازمی نہیں۔ واحد، فاخرہ سے تین سال کے قریب بڑا ہے اور اتنا ہی عرصہ پہلے اُس نے تعلیم شروع کی تھی۔ اب وُہ دونوں بی۔اے میں اکٹھے ہیں۔ واحد کو اس وقت تک آئی سی۔ ایس کے امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد انگلستان سے کورس لے کر

واپس آجانا چاہئے تھا۔ فاخرہ کلاس میں صرف ایک لڑکے کو چھوڑ کر سب سے بہتر سٹوڈنٹ ہے۔ سرودیپک جماعت میں فرسٹ اور فاخرہ ہمیشہ سیکنڈ رہتی ہے اور واحد کو اکثر فیل ہوتے دیکھتا ہوں۔"

"کچھ بھی ہو۔ ریزرو فورس میں سیکنڈ لفٹیننٹ کوئی معمولی بات نہیں۔"

"یقیناً معمولی بات نہیں۔ وہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ واحد دماغی قوتوں سے سراسر عاری ہے اور اُس کا جسم کسی اٹھارہ انچ منہ والی توپ کا نوالہ بننے کے سوا اور کسی کام نہیں آسکتا۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ جنگ کے بعد جب فوجیں توڑ دی جاتی ہیں۔ تو معمولی سپاہی تو بیچارے کسی تحصیل میں چپراسی کی ملازمت اختیار کر لیتے ہیں اور افسروں کو میرج الاؤنس بند ہو جانے کی وجہ سے اپنی بیویوں سے اعلانِ جنگ کر کے ایک نئے محاذ پر لڑنا پڑتا ہے۔"

"اے بھیّا ارشد۔" پروفیسر کی بیوی آخر چلا اُٹھی۔ "ان کی کیا سنتے ہو۔ یہ تو یونہی بڑبڑایا کریں گے۔ تم جا کے تیاری کرو۔ میں لڑکی تم کو دوں گی۔"

"فاخرہ مجھے اس قدر پیاری ہے کہ میں اُس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں ہونے دونگا"

"ارشد بھیّا! صغریٰ بہن! تم جاؤ، بات طے ہو گئی۔ کوئی مناسب تاریخ مقرر کر کے پتہ دوں گی۔ اُس دن برات لے کر آجاؤ۔"

ارشد اور صغریٰ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

پروفیسر نے کہا۔ "مسٹر ارشد آپ کو ناکامی ہوگی۔"

ارشد نے پوچھا۔ "کیوں؟"

"فاخرہ تین دن سے سرودیپک کے ساتھ غائب ہے۔ اُن کی شادی ہو چکی ہوگی۔"

کمرے پر سناٹا چھا گیا

سرد ہوا کا ایک جھونکا خشک پتوں میں سے کھڑکھڑاتا ہوا نکل گیا۔

پتھرائی ہوئی آنکھوں سے سب پروفیسر کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ پروفیسر کی بیوی کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں۔ ارشد اور صغریٰ حیرت کی بے جان تصویریں بنے کھڑے ہیں پروفیسر انتہائی بے پروائی کے انداز میں بیٹھا ہے۔

پروفیسر کی بیوی نے سوچا۔ زبان ہلائے بغیر حالات اور بھی خراب ہو جائیں گے "جھوٹ ارشد بھیا! سفید جھوٹ! بکتے ہیں یہ۔ صغریٰ بہن، ان کی ایک نہ سنو"

"اغوا کی شادی بہترین شادی ہے۔ اغوا لڑکا اور لڑکی کی رضامندی کا ثبوت ہے۔ اغوا شادی کے معاملات میں ماں باپ کے متعلق افراد ہونے کی دلیل ہے۔ اغوا ایک کامیاب ازدواجی زندگی کا اُمید افزا آغاز ہے۔ ہزاروں کامیاب زندگیاں اپنی مسرتوں کے لئے اغوا کے احسان سے شرمندہ ہیں۔ میں اُن میں سے ایک ہوں"۔

"تم"! ارشد کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔

"میں ایک نازک مزاج خوبصورت لڑکی کو انگریزی پڑھاتا تھا۔ وہ میٹرک میں پڑھتی تھی اور میں نیا نیا پروفیسر مقرر ہو کر اس شہر میں پہنچا تھا۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں میں اُس کو لے کر کشمیر بھاگ گیا اور ڈل لیک کے اندر ایک بوٹ ہاؤس میں اُس کے ساتھ شادی کر لی۔ اگرچہ اس شادی نے میری بہت سی آزادیاں مجھ سے چھین لیں اور پہلے پہلے مجھے کافی سے زیادہ پشیمانی محسوس ہوتی رہی۔ لیکن وہ تردیدی عمل شادی کے خلاف تھا اُس اُس لڑکی کے ساتھ شادی کے خلاف نہیں تھا۔ میری پبلک زندگی میں کامیابی کا انحصار محض اُس لڑکی پر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اُس کی شادی اُس نارمل پاس سکول ماسٹر

سے ہو جاتی جس کے ساتھ بچپن میں اُس کی منگنی ہو گئی تھی۔ تو وہ کبھی خوش نہ ہوتی۔ اس طرح ایک معصوم زندگی خاک میں مل جاتی اور میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اُس صورت میں مَیں بھی تباہ ہو جاتا۔ کیونکہ یہ ممکن ہے۔ مجھے کسی اور لڑکی کو اغوا کرنے کا موقع نہ ملتا۔"

ارشد اور صبغت اللہ نے حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے اضطراری انداز میں کہا:۔

"فاخرہ کی ماں"۔

"فاخرہ کی ماں!"

"ہاں، فاخرہ کی ماں جو فاخرہ کے اغوا پر شرم سے پانی پانی ہوئی جاتی ہے"۔

حیرت سے لبریز آنکھیں فاخرہ کی ماں پر مرکوز ہو گئیں۔

ملازم نے اندر آکر کہا:۔ "فاخرہ خانون آگئی ہیں"۔

"فاخرہ!"

"فاخرہ!"

"فاخرہ!"

ملازم نے حیران ہو کر سب کی طرف دیکھا اور کہا۔ "فاخرہ اور سشن جج کا لڑکا"۔

دوسرے لمحے فاخرہ اور سشن جج کا لڑکا اندر آگئے۔

"گڈ آفٹرنون پاپا — آفٹرنون، ممّا — کیسے ہیں آپ مسٹر ارشد!"—

"لڑکی!" فاخرہ کی ماں نے مہمانوں کے سامنے فاخرہ کی زبان درازی کو روکنے کے لئے کہا

"ممی! پہلے چائے منگوائیے — چنّو! جاؤ! ہمارے لئے چائے لاؤ —"

ملازم اندر چلا گیا۔

"فاخرہ بیٹی! پکنک پارٹی آ گئی؟"

"مجھے معلوم نہیں پاپا، سرودیا پک اور میں پکنک پر نہیں گئے۔"

"پھر؟"

"سٹیشن پر معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ٹیگور اپنی پارٹی کے ساتھ لاہور میں آیا ہوا ہے۔ پکنک کی دلچسپیاں پھیکی پڑ گئیں۔ سرودیا پک رضامند ہو گیا۔ ہم انچارج کو خبر کئے بغیر دوسرے پلیٹ فارم سے لاہور روانہ ہو گئے۔"

"ٹیگور کی پارٹی لاہور سے چلی گئی؟"

"نہیں۔"

"پھر تم کیوں آ گئیں؟"

"بڑا دلچسپ واقعہ ہے ـــــ"

ملازم نے چائے کی ٹرے کو تپائی پر رکھ دیا۔ فاخرہ اور سرودیا پک دو کرسیوں پر آمنے سامنے چائے پینے کے لئے بیٹھ گئے۔

"ـــــ بڑا دلچسپ واقعہ ہے، پاپا۔ ہم سٹینڈرڈ ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔ ایک دن ایک رات خیریت سے گذر گئے۔ دوسری رات معلوم نہیں۔ ان حضرت کو کیا ہو گیا۔ بڑبڑانے لگے ـــــ فاخرہ! میں تم سے محبت کرتا ہوں، تم چودھویں رات کا چاند ہو۔ تم رعنائی کے چمن زار کا شگفتہ پھول ہو۔ تم سامری کا بولتا ہوا جادو ہو۔ تم طور کا بھڑکتا ہوا شعلہ ہو۔ میں تم پر جان دیتا ہوں۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں ـــــ میں اس وقت اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ یہ میرے پاؤں کے پاس ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ میں نے اپنے دونوں

پاؤں جوڑ کر اپنی پوری قوت کے ساتھ اس کے سینے پر اس قدر بیرحمی سے مارے۔ کہ یہ حضرت کُرسی کے ساتھ گر کر قلابازی کھاتے ہوئے کمرے کے دروازے سے جا ٹکرائے بوائے کے لئے گھنٹی بجا کر اُس کو ٹیکسی کا انتظام کرنے کے لئے کہہ دیا اور انتہائی غصے میں اکیلی واپس آنے کے لئے تیار ہو گئی۔ اُس کو ہوش آیا تو گڑگڑانے لگا ـــــ فاخرہ مجھے معاف کر دو۔ میں قصوروار ہوں۔ مجھے غلط فہمی تھی۔ میں آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کروں گا ـــــ میں اس کے ساتھ واپس آنے پر رضامند ہو گئی۔ لیکن رضامندی کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں نے اُس کو معاف کر دیا ہے۔ اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ میرے پاس واپس آنے کے لئے ریلوے کا کرایہ نہیں تھا۔ راستے میں میں نے اس سے بالکل بات نہیں کی۔ صرف ایک مرتبہ اُس نے کہا تھا کہ یہ آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے۔"

ارشد اور صُغریٰ ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگے۔ پروفیسر کی بیوی غرق ہونے کے لئے جگہ ڈھونڈ رہی تھی۔ پروفیسر تذبذب کے عالم میں پین کے ساتھ گلی ڈنڈا کھیل رہا تھا۔

چائے کی دو پیالیاں تیار کر کے فاخرہ نے ایک سرودیا پک کو دے دی۔

کچھ عرصے تک کمرے میں چائے کی سٹر پراہٹ کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

آخر ـــــ

"تم مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہو سرودیا پک؟"

"آپ نے وہ ڈرامہ مکمل کر لیا؟"

"ابھی تھوڑا سا باقی ہے۔"

"آپ شعورا اور سمتیبہ کی شادی کو جائز سمجھتے ہیں؟"

"بیشک!"

"آپ زندگی کے حقیقی سٹیج پر ایک حقیقی ڈرامے کو پسند کریں گے؟"

"ہاں"۔

"تو پھر اپنی رضامندی دے دیجیے"۔

"یعنی"۔

"پروفیسر! آپ خدا ہیں"۔

"کیا کہتے ہو سر دیا پک"۔

"آپ کا شعور ایک حقیقی شعور ہے۔ آپ کی سمتیہ ایک حقیقی سمتیہ ہے۔ دونوں حقیقی ایکٹر پردہ اُٹھنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اشارہ کر دیجیے، پروفیسر ـــــ"

"سر دیا پک! تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"پروفیسر! میرا دل کہتا ہے مجھے غلط فہمی نہیں۔ فاخرہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔ وہ میرے ساتھ شادی کے لئے رضامند ہو جائے گی۔ وہ صرف آپ کی رضامندی کی منتظر ہے"۔

پروفیسر نے سائلانہ انداز میں اپنی بیٹی کی طرف دیکھا

"فاخرہ؟"

"میں فیصلہ کر چکی ہوں، پاپا"۔

"کیا؟"

"کہ میرا ہونے والا خاوند کون ہو گا؟"

"کون ہو گا؟"

"واحد ـــ!"

نفرت سے گدلائی ہوئی آنکھوں میں حیرت کی چمک پیدا ہو گئی۔

"۔۔۔۔ واحد کی بدصورتی میرے لئے اُس کی سب سے بڑی دلکشی ہے۔ میں چاہتی ہوں میرے خاوند کو میرے سوا اور کوئی پسند نہ کرے۔ واحد ایک کُند ذہن اور بیوقوف لڑکا ہے۔ اسلئے مجھے اُس پر حکومت کرنا آسان ہوگی۔ اس کو زندگی کے جہاد میں میری رہنمائی کا دست نگر رہنا پڑے گا۔ واحد ایک مذہبی ذہینت کا لڑکا ہے۔ اس لئے میں اُس کو اپنے ماتحت رکھنے کیلئے دوزخ اور جنت کے تازیانوں سے بھی کام لے سکوں گی۔ واحد کو میں نے دانستہ اب تک اپنی کمپنی سے دُور رکھا ہے تاکہ اُس پر میرا رعب اور وقار قائم رہے اور اب یہ سُن کر کہ وُہ سیکنڈ لفٹیننٹ کے عہدے پر مامور ہوا ہے۔ بہت خوشی ہوئی۔ کیونکہ وُہ شادی کے بعد بھی مجھ سے اکثر دُور ہی رہا کرے گا۔ واحد اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اسں لئے مسٹر ارشد کی بیشمار جائداد اس کو ملے گی اور اگر اس جنگ میں اس کا خاتمہ ہوگیا جس کی اس تباہ کن جنگ میں قوی اُمید ہے۔ تو میرے پاس دوسری شادی کے لئے کافی روپیہ ہوگا۔"

سرد ہوا کے ایک طاقتور جھونکے نے اندر جاتے ہوئے ملازم کے ہاتھ سے چائے کی ٹرے کو فرش پر گرا کر چینی کے سامان کو چکنا چور کر دیا۔ خشک پتوں کا ایک دیوانہ گروہ قہقہے مارتا ہوا اندر آیا اور چینی کے ٹکڑوں سے کھیلنے لگا۔

تڑپ

اُس نے تاروں کی طرف دیکھا۔ تاروں نے کہا: "گیارہ بج گئے ہوں گے۔"

دُور کوئی چھ فرلانگ کے فاصلے پر گاؤں نیند، خاموشی اور اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ کچی سڑک کے کچے کنارے پر، بے ڈول اینٹوں کے بے ڈول مکان کے سامنے کیلے اور گھنے .... کی بیلیں، بینگن اور بھنڈیوں کے پودوں، کہیں کہیں گلاب اور گیندے کی باڑ سے محفوظ آنگن کے درمیان، پرانی، ٹوٹی پھوٹی، کمزور، چرچراتی چارپائی پر، پھٹے پرانے گندے چیتھڑوں کے نیچے دالا مٹی کا گندہ سا حقہ لئے ہوئے۔ کچی اینٹوں اور مرمر کی ٹائلوں کے درمیان کسی رنگ کی دیسی دھوتی میں، زندگی کے بہت لمبے جہاد سے زخم خوردہ جسم کے ساتھ، وہ خیالات میں مستغرق بیٹھا تھا۔

اُس کے خیالات، رات کی تاریکی اور حقے میں لگانگت تھی۔

تارو نے ایک دفعہ پھر کہا۔ "گیارہ بج گئے۔"

لیکن تارو کی زبان سے کہیں زیادہ میٹھی حقے کی زبان تھی۔ اس کے حقے کی میٹھی باتوں نے اس کی ہزاروں تنہائیوں میں اس کے پاس بیٹھ کر اس کی غمگساری کی تھی۔ وہ بیٹھا رہا بیٹھا رہا۔ بیٹھا رہا۔

یکایک اس کے ایک بیل کے گلے میں گھنٹی کی آواز آئی۔

"کیوں؟ بیٹا! کیا بات ہے؟"

دونوں بیلوں کے گلوں میں گھنٹیاں بجنے لگیں۔

"کون ہے بیٹا! کیوں گھبراتے ہو؟"

ایک بکھرے سے بالوں والا، پتلے لمبے بدن کا آدمی، سفید قمیض میں اور غالباً فاختی رنگ کی پتلون میں، باڑ کے دروازے کے سامنے نظر آیا۔ کسان ایک اضطراری جنبش کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

"گھبرائیے نہیں، میں ایک اجنبی ہوں۔ آپ کے پاس پناہ چاہتا ہوں۔"

کسان کو فیصلہ کرنے میں کچھ دیر لگی۔

"اندر آجاؤ۔"

اجنبی اندر آ گیا۔ اس کی عمر ۲۸ سال کے قریب ہو گی۔ اس کا بھنچا ہوا چہرہ اس کے افلاس کی طرف نہیں بلکہ اس کی ورزشی عادتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کا گندمی رنگ اندھیرے میں کالا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی گفتگو میں اضطراب ہے۔

"ہم سیر کے لئے آئے تھے۔ میرے ساتھی یہیں کہیں نزدیک ہی خیمہ زن ہیں۔ میں سیر کے لئے نکلا تھا۔ راستہ بھول گیا۔"

"بہت لوگ اس دُنیا میں راستہ بھول جاتے ہیں بیٹا!"

"میں آج رات یہیں رہنا چاہتا ہوں۔ دن کے وقت میں اپنا مقام ڈھونڈ لوں گا۔"

"لیکن بعض اوقات دن کی روشنی میں بھی راستہ نہیں ملتا بیٹا!"

"آپ جو میری مدد کریں گے۔"

"بیٹھ جاؤ۔"

اجنبی چارپائی کے ایک کونے پر بیٹھ گیا۔ چارپائی کی چرچراہٹ نے اپنی پوری قوت کے ساتھ احتجاج کیا۔ لیکن بے سُود! کسان نے اپنا حقہ اُٹھا کر چارپائی کے دوسرے سرے پہ رکھ دیا۔ خود اُس کے مقابل چارپائی پر بیٹھ گیا۔ چارپائی کا احتجاج دشمن کے بڑھتے ہوئے بوجھ کے نیچے دب کر رہ گیا۔

"حقہ پیتے ہو؟"

"میرے پاس سگار ہیں۔ پیو گے؟ بہت قیمتی ہیں۔ چار آنے کا ایک سگار!"

"میں چار آنے کے بھنڈیوں کے بیج لایا تھا۔ سارا گاؤں اُس سے فائدہ اُٹھا رہا ہے۔"

"تمہارے صحن میں بھنڈیاں بھی ہیں؟"

"بھنڈیاں، بینگن، کریلے، گھیے اور بہت سی سبزیاں، اور کچھ پھول بھی۔"

"اُف! کتنی دلکش ہوتی ہے دیہات کی فضا!"

"اور اگر تم دیہات کے باشندے ہوتے تو کہتے! اُف کتنی دلچسپ ہوتی ہیں شہروں کی ریلیں اور موٹریں۔"

"لیکن یہ تو سب جانتے ہیں کہ دیہات کی زندگی شہروں کی زندگی سے اچھی ہے۔"

"سوائے سکولوں اور کالجوں کے ناتجربہ کار لڑکوں کے اور کوئی ایسا نہیں کہتا اور وہی

ٹر کے بعد کو کسی پرائم منسٹر کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں ---- آپ نے مڈل دیہات کے غیر تسلی بخش سکول میں پاس کیا۔ دیہات کی فضا آپ کی غیر معمولی قابلیتوں کے لئے ناسازگار تھی۔ اس لئے آپ کے والدین دیہات کی رہائش ترک کر کے شہر میں آگئے۔ لیکن آپ کی بے پناہ دماغی قوتوں نے وہاں بھی میدان تنگ پایا۔ بی۔ اے پاس کرنے کے بعد آپ انگلستان گئے اور وہاں سے جرمنی ملک نے آپ کو انہی دماغی کاوشوں کے صلے میں پرائم منسٹر کا عہدہ عطا کر کے اپنی فرض شناسی کا ثبوت دیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ ---- اجنبی! کبھی تم نے کسی کو یہ کہتے بھی سنا ہے ---- آپ نے پرائم منسٹر کا عہدہ حاصل کرنے تک ہندوستان، جرمنی اور انگلستان کی ناسازگار فضا میں زندگی بسر کی۔ اس کے بعد آپ شہر کی رہائش چھوڑ کر گاؤں جا بسے اور گاؤں والوں نے آپ کو اس عقلمندی کے صلے میں کسان کا عہدہ عطا کر کے آپ کی قدر افزائی کی ---- اجنبی! گاؤں چھوڑ کر شہر جانا ترقی ہے اور شہر چھوڑ کر گاؤں میں آنا تنزل ہے۔ تم نے کسان کی مشکلات کا مطالعہ کیا ہوگا۔ مختلف دماغ مختلف علاج تجویز کرتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک زمیندار کو شکست دینے کے لئے صرف ایک حربہ کارگر ہے۔ اگر کسان زمیندار کی چیرہ دستیوں سے بچنا چاہتے ہیں۔ تو اُن کو گاؤں چھوڑ کر شہر میں آباد ہونا چاہئیے۔ پچھلے دنوں اس قسم کا سیلاب انگلستان میں آیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج گورنمنٹ کسانوں کو اپنی زمینیں آباد رکھنے کے لئے اور اُن میں فصلیں اُگانے کے لئے انعام دیتی ہے۔ زمینداری سسٹم نابود ہو گیا۔ اب اگر کسی انگریز کو زمیندار کہلانے کا شوق پیدا ہو جائے تو وہ انگلستان کی بجائے کینیڈا اور آسٹریلیا میں زمینیں خریدتا ہے۔ مصیبت یہ ہے کہ کسان کے ساتھ زمیندار بھی گاؤں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ شہر میں کسان کو مزدور کہتے ہیں اور زمیندار کا نام بدل کر سرمایہ دار ہو جاتا ہے۔ اس طرح ان میں وہ پرانی دشمنی قائم رہتی ہے۔ لیکن گاؤں میں گاؤں کا گاؤں ہونا کسان کو نقصان

پہنچاتا ہے اور شہر میں شہر کا شہر ہونا، مزدور کی مدد کرتا ہے۔ گاؤں کسان کو سادہ لوحی اور شرافت جو بیوقوفی کے دو بُنیادی پتھر ہیں، سکھاتا ہے۔ شہر مزدور کو فریب کاری اور مکّاری جن پر زندگی کے جہاد کی شاندار عمارت قائم ہے سکھاتا ہے۔ سوشلزم کی موجودہ کامیابی کا راز یہی شہر کا جادُو ہے۔ شہر نے مزدور کو زیادہ تجربہ کار، زیادہ دلیر اور زیادہ لڑنے کے قابل بنا دیا تھا۔"

"قطع کلامی معاف! لیکن میرا خیال ہے۔ اندھی تقلید اچھی نہیں ہوتی۔ جن حالات نے انگلستان کے کسانوں کو گاؤں چھوڑنے میں فائدہ پہنچایا تھا۔ وُہ حالات ہندوستان میں موجود نہیں۔ انگلستان کے کسانوں نے جن دنوں گاؤں چھوڑنے کی تحریک میں حِصّہ لیا تھا۔ وُہ اُن کے صنعتی انقلاب کے دن تھے۔ زمینوں کو چھوڑ کر لوگ کارخانوں میں کام کرنے لگے تھے لیکن ہندوستان میں صنعتی انقلاب تو کیا صنعتی تغیّر بھی ابھی مکمل نہیں ہوا۔ پھر یہاں تمہاری تجویز کے لئے گنجائش کہاں؟"

کِسان کے حقّے کی گڑگڑاہٹ جیسے اجنبی کی باتوں پر ہنس رہی تھی۔

"اجنبی! میں تمہیں یہ نہیں بتا رہا کہ یہ چیز ممکن ہے اور وُہ چیز ناممکن۔ میں تو صرف شہری زندگی اور دیہاتی زندگی کا مقابلہ کر رہا ہوں۔"

"ڈاکٹروں کی متفقہ رائے ہے کہ دیہات کی آب و ہوا شہروں کی نسبت زیادہ صحت بخش ہے۔"

"ڈاکٹروں کی متفقہ رائے ہے کہ دیہات شہری مریضوں کے لئے کم خرچ بالانشیں ہسپتال ہیں لیکن پھر ہسپتال بھی تو کوئی اچھی جگہ نہیں ہوتی۔ کون ہسپتال میں رہنا پسند کرتا ہے؟"

اجنبی چپ ہو گیا۔ خاموشی کے ان شاق لمحوں کو حقے کی موسیقی نے رنگین بنانے کی بے سود کوشش کی۔ تارے ہنس رہے تھے۔

"اجنبی! جو چیز ہماری دسترس سے باہر ہوتی ہے۔ وہ ہمیں اچھی معلوم ہوتی ہے۔ موجودہ حالات انسان کو اطمینان نہیں بخشتے۔ وہ ہمیشہ اس چیز کی تمنا رکھتا ہے جو اس کی پہنچ سے دور ہو۔ دوری ظاہری خوبصورتیوں کو ہماری آنکھوں تک پہنچا کر چیزوں کو ہماری نظر میں زیادہ جاذب بنا دیتی ہے۔ نزدیکی باطنی کمزوریوں کو واضح کر کے چیزوں کی وقعت کو کم کر دیتی ہے۔ وہ دیکھو! تارے کتنے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں لیکن دراصل وہ پتھروں کا ایک ڈھیر ہے۔"

حقّہ اور حقے کی گڑگڑاہٹ —— خمار آلود ہوا کی ہلکی ہلکی سنسناہٹ —— بیلوں کے گلے میں گھنٹیوں کی آواز —— دور کہیں کسی کنوئیں کے چلنے کی ٹک ٹک —— اجنبی کو اس دلکش دیہاتی فضا میں دیہاتی باتوں کی توقع تھی۔ دیہاتی باتیں، سادہ، بے رنگ، بے کیف، بے ربط کمزور باتیں —— کسان کی باتوں میں تصنّع تھا۔ تصنّع جس کو شہر کے لوگ تہذیب کہتے ہیں۔ اس کے ادبیت لئے ہوئے شاعرانہ فقرے بتاتے تھے۔ کہ وہ ان کو بارہا دہرا چکا ہے۔

"اجنبی! میں ایک امیر زمیندار کا لڑکا تھا۔ اس گاؤں کے ارد گرد کی تمام زمین ہماری تھی۔ ہمارا کنبہ پختہ اینٹوں سے بنے ہوئے شاندار مکان میں رہتا تھا۔ دیہاتی اور شہری دونوں قسم کی زندگی میرے لئے ممکن تھی۔ اونچی سے اونچی تعلیم، زیادہ سے زیادہ آسائش کوئی چیز ایسی نہ تھی جو مجھے میسر نہ آ سکتی ہو۔ لیکن میں ناخوش تھا۔ بیقرار تھا، ایک چیز کیلئے وہ چیز میرے لئے بے اندازہ دلچسپی رکھتی تھی۔"

"کیا؟"

"جیل!"

اجنبی کی دلچسپی ہیجان میں آگئی۔ اُس نے کسان کو زیادہ سنجیدگی کے ساتھ سُننا شروع کر دیا۔

"تو تم جیل بھی دیکھ چکے ہو، بابا؟"

"تین دفعہ، چوتھی دفعہ جانے کی اُمید رکھتا ہوں۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں، تم کو جیل کیوں بھیجا جاتا تھا؟"

"پہلی دفعہ جب میں سکول میں پڑھتا تھا، عدم تعاون کی تحریک میں حصہ لینے اور سکول میں قومی تحریک شروع کرنے کے جرم میں ایک سال۔ دوسری دفعہ جب میں نے ایک اخبار جاری کیا تھا اور اپنے ایڈیٹوریل میں لکھا تھا کہ ریاست کے موجودہ تشدد سے بچنے کے لئے ریاست کے باشندوں کو ریاست چھوڑ کر چلا جانا چاہیئے۔ اس جُرم میں تین سال تیسری اور سب سے لمبی سزا ۔۔۔"

اُس نے حقے کا ایک لمبا کش لگایا۔ جیسے وُہ بہت لمبے واقعات کا اعادہ کرنے والا ہے۔

"لمبی سزا! کتنے سال، بابا؟"

اجنبی کے لہجے میں تبدیلی آگئی۔ وُہ کسان نہیں۔ وُہ ایک پُرانا تجربہ کار ایڈیٹر ہے۔ دیہات کی شام نہیں۔ ایک ایڈیٹر کی زندگی کی شام۔ حقے کی گڑگڑاہٹ نہیں، انقلاب کے بگل کی مدھم صدا۔ بیلوں کے گلے میں گھنٹیوں کی آواز نہیں، قافلے کو جگانے کے لئے درا کا شور، دُور پرے کنوئیں کی ٹک ٹک نہیں، سوسائٹی کے پُرانے قوانین پر ہتھوڑے کی ضربیں۔

اُس نے پھر کہا۔ "کتنی لمبی سزا ہے بابا!"

کِسان نے جواب دیا۔ "شاید بیس سال!"

"بیس سال؟"

"اجنبی! ہمارے گاؤں کے پاس ہی ہماری ریاست کی شکار باڑی ہے۔ ہمارے مہاراج کبھی کبھی یہاں شکار کے لیئے آتے ہیں۔ ایک دو ماہ قیام کرنے کے بعد چلے جاتے ہیں۔ میرے واقعات کا تعلق ہمارے مرحوم مہاراجہ سے ہے۔ وُہ اکثر شکار باڑی میں آکر ٹھہرا کرتے تھے۔ ایک دفعہ بہار کے موسم میں وُہ یہاں آئے۔ اُس وقت میری عمر کچھ زیادہ نہیں تھی۔ میں تین سال کی سزا ختم کر کے آیا تھا۔ بیکار تھا۔ میرے والدین میرے خیالات کی نوعیت سے ڈرتے تھے۔ اُنہوں نے میرے لاُابالیانہ پن کا علاج ملازمت میں سمجھا۔ وُہ پہلا موقع تھا جب مجھے دُنیا کی ایک بہت بڑی تلخ حقیقت کا سامنا ہُوا۔ مجھے معلوم ہُوا کہ میری ایک بہن کی عصمت میری ملازمت پر قربان کی جارہی ہے۔ میرا خُون کھول اُٹھا۔ میں نے ایک ترکیب سوچی۔ میری بہن رضامند ہوگئی۔ میں اُس رات اپنی بہن کے کپڑے پہن کر ایک خوبصورت لڑکی بن گیا۔ میری ساری کے نیچے دائیں طرف ایک تیز کی ہُوئی بیرحم چھُری تھی۔"

"مہاراجہ کی خلوت گاہ ننگی عورتوں کی تصویروں سے سجی ہُوئی تھی۔ ایک دیوار کے ساتھ ایک نہایت قیمتی پلنگ پر ایک نہایت قیمتی بستر تھا۔ دیواروں میں دروازوں اور دریچوں کی جگہ تصویریں تھیں۔ ہوا کا انتظام بجلی کے پنکھوں سے کیا گیا تھا۔ سامنے کی دیوار میں خالی انگیٹھی کے سامنے ایک میز پر ٹیلیفون پڑا تھا۔ ٹیلیفون کے برابر ہی ایک میز پر ریڈیو سٹ تھا۔ چند کرسیاں تھیں۔"

"مہاراج اندر آگئے۔"

"میں اُس وقت ایک ننگی عورت کی تصویر کے پاس کھڑا اُس کو دیکھ رہا تھا۔"

"اچھی ہے تصویر، ہے نا؟ مہاراج نے وہیں دروازے کے پاس سے کہا"

"میں چُپ چاپ وہاں سے ہٹ کر دروازے کے پاس آ گیا۔"

"مہاراج نے کہا، "دروازہ بند ہے اور صُبح تک یہ بند رہے گا۔ وُہ کرسی لے لو۔"

"میں وہیں کھڑا رہا"

"وُہ بولے "گانا سنو گی؟"

"مہاراج نے ریڈیو کو ٹیون کرنا شروع کر دیا۔ میں نے پہلی دفعہ اُن کو دیکھا تھا۔ اُنکی پیٹھ میری طرف تھی۔ وُہ ایک قیمتی ڈریسنگ گاؤن میں تھے۔

"اُنہوں نے میری طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہُوئے کہا، "تم کھڑی کیوں ہو؟ کیونکہ میں مہاراجہ ہوں؟ پاگل، ایک حسین لڑکی کے سامنے مہاراجے کی کیا حیثیت ہے"

"وُہ ایک آرام کرسی پر دراز ہو گئے۔ ریڈیو گا رہا تھا — پیا کو کیسے مناؤں —"

"میں کافی دیر تک وہیں خاموش کھڑا رہا۔ آخر مہاراج نے اُٹھ کر میری طرف آتے ہوئے کہا۔ "پیا کو منانا ہی پڑے گا!" اور پھر میرے نزدیک آکر کہنے لگے: "ڈارلنگ!" میں وہاں سے ہٹ کر ریڈیو کی طرف چل دیا۔ میری ساری کا ایک پلّو اُن کے ہاتھ میں آ گیا۔ نازک ہاتھوں سے بندھی ہوئی ساری یکایک کھُل کر نیچے گر پڑی۔ میں اضطرار کے ساتھ سفید قمیص اور نیلی نیکر میں ٹیلیفون کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

"مہاراج وہیں کھڑے رہے۔

"میں نے غضب آلود آنکھوں سے دیکھتے ہُوئے کہا۔ "مہاراجے! — ہوس کے

غلام ـــ جن جن معصوم عورتوں کی عصمت دری کے ثبوت میں اُن کے ننگے فوٹو تُو نے اس ناپاک کمرے کی ناپاک دیواروں پہ لگا رکھے ہیں۔ آج تجھ سے اُن کا انتقام لیا جائے گا۔"

"مہاراجہ میری طرف بے پرواہی سے دیکھتا رہا۔

"ــــ میں اس گاؤں کے زمیندار کا بیٹا ہوں اور تجھ کو یہ بتانے آیا ہوں کہ ہمارا گاؤں بے غیرتی برداشت کرنے سے پہلے مر مٹنا جانتا ہے۔" میں نے کڑی ہوئی نظروں کے ساتھ کہا۔

"مہاراجہ نے سکون کے انداز میں کہا۔" نوجوان! میں تیری دلیری کی داد دیتا ہوں۔"

"میں نے جواب دیا۔" میں اپنی دلیری کی داد نہیں چاہتا۔ میں تیری بدعنوانی کا جواب چاہتا ہوں۔"

"اُس نے کہا۔" تم بدعنوانی کس کو کہتے ہو، نوجوان۔"

"میں نے کہا۔ ان ننگی تصویروں کو، اس کالی رات کو، تمہارے ناپاک ارادوں کو۔"

"وہ بولا۔ اور وہ گاؤں کے اردگرد اندھیرے میں ڈوبے ہوئے ہرے ہرے کھیت!"

"میں نے سمجھا۔ مہاراجہ غیر متعلق باتوں سے میرا وقت ضائع کرنا چاہتا ہے۔ میں چُپ ہو گیا۔ سوچ رہا تھا کہ مجھ کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے کیا کرنا چاہئے۔ فوری حملہ یا کسی زیادہ اچھے موقع کا انتظار۔

"اُس نے کہا۔" نوجوان! ننگی تصویریں، کالی راتیں، ناپاک ارادے اور گاؤں کے اردگرد اندھیرے میں ڈوبے ہوئے ہرے ہرے کھیت! یہ سب بدعنوانیاں ہیں۔"

"میں طیش میں آ گیا۔" کیا کہتے ہو تم، مہاراج! میں نے کہا۔

"اُس نے جواب دیا۔" میں کہتا ہوں، اس دُنیا میں کوئی چیز بدعنوانی نہیں۔"

"پھر ایک نوجوان لڑکی کا آدھی رات کے وقت تمہارے پاس آنا آخر کیا ہے؟"
میں نے غصے سے کہا۔

"اور ایک بوڑھے کمزور کسان کا آدھی رات کے وقت اپنے کھیتوں میں جانا آخر کیا ہے؟" اُس نے سکون سے جواب دیا۔

"اگر تم کو بتانے کی ضرورت ہے تو ———" لیکن مہاراجہ نے مجھ کو دائیں ہاتھ کے اشارے سے چپ کرا دیا۔

اُس نے آہستہ آہستہ میری طرف آتے ہوئے کہا "میں جانتا ہوں۔" وہ میرے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ "نوجوان! وہ کسان کھیتوں میں جاتا ہے زندہ رہنے کے لئے۔ وہ لڑکی میرے پاس آتی ہے زندہ رہنے کے لئے۔ میں عورتوں کی ننگی تصویریں لیتا ہوں زندہ رہنے کیلئے" ——— میں اُس کے گفتگو کے انداز سے کسی قدر مرعوب ہو گیا ——— "یہ سب تجارتیں ہیں۔ دینا اور لینا۔ لینا اور دینا۔ تجارت گناہ نہیں ———" اُس نے اپنا دایاں ہاتھ میرے کندھے پر رکھ دیا۔ "ہم سب تجارت کرتے ہیں۔ وہ کسان، اُس لڑکی کو بھیجنے والے۔ ان دیواروں پہ یہ ننگی تصویریں۔ تجارت کے اِس دور میں لڑکی کی تجارت سب سے زیادہ فائدہ مند ہے ———" اب وہ میرے بالکل نزدیک تھا اور میں کامیابی کے دروازے پر۔ لیکن اس کی باتیں میرے لئے دلچسپی کا باعث ہوتی جا رہی تھیں۔ میں نے توقف گوارا کر لیا ——— "لڑکی کی تجارت میں سرمایہ نہیں لگتا۔ منافع میں ہرے ہرے کھیت ملتے ہیں۔"

"ہرے ہرے کھیت!" میں نے تعجب سے کہا۔

"وہ جلدی جلدی اُس تصویر کے پاس جا کھڑا ہوا، جس کو میں اُس کے اندر آنے سے پہلے دیکھ رہا تھا اور وہاں سے بولا۔ "اس گاؤں کے ارد گرد اندھیرے میں ڈوبے ہوئے

ہرے ہرے کھیت !"

میں نے کسی قدر غضب آلود حیرت میں پوچھا "تم میرے باپ کی زمینوں کی طرف اشارہ کر رہے ہو!"

"اُس نے بے پروائی سے جواب دیا "مدت ہوئی تمہارے باپ نے تجارت کی تھی۔ اب وُہ اس گاؤں کا زمیندار ہے۔"

"تمہارا کیا مطلب ہے؟ مہاراجے! میں نے حیرت سے پوچھا۔

"اُس نے فون کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "دراصل مجھے بھی معلوم نہیں۔ میرا کیا مطلب ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ آج ایک بیٹا ایک باپ سے ایک ماں کا انتقام لینے آیا ہے۔"

"مہاراج!" میری آواز میں شیر کی گرج تھی۔

"وُہ فون کے پاس پہنچ گیا۔ میرے جذبات کا ہیجان مجھے دیوانگی کی طرف لیے جارہا تھا۔ میں نے کہا۔ "مہاراجے! میں تیرے الزام کا ثبوت چاہتا ہوں۔"

"اُس نے کہا۔ "وُہ تصویر ــــ مجھے اُس تصویر پر ایک نمائش میں پہلا انعام ملا تھا!"

اُس نے اُسی تصویر کی طرف اشارہ کیا جس کو میں اُس کے اندر آنے سے پہلے دیکھ رہا تھا۔ وُہ تصویر مجھے کیوں دلچسپ معلوم ہوتی تھی؟ انکشاف مجھ پر صاعقے کی طرح گرا۔ وُہ میری ماں تھی۔ جوانی میں۔ ایسے پوز میں جس کو پہچاننا مشکل تھا۔ میرے اوسان خطا ہو گئے۔ میری آنکھوں میں خون کا طوفان آ گیا۔ میرا ہاتھ والہانہ انداز میں چھری پر پڑا۔ میرے پاؤں خوفناک سُرعت سے مہاراجہ کی طرف بھاگے لیکن مجھے مہاراجہ سے دو قدم کے فاصلے پر ٹھہرنا پڑا۔ مہاراجہ کے پاس پستول تھا۔ اُس نے فون پر کچھ کہا۔ چند منٹ کے بعد پولیس موقع پر

پہنچ گئی۔

"مجھے عمر بھر کے لئے جیل میں پھینک دیا گیا۔

"مغربی ملکوں کی سیاحتوں، تھیٹروں کے شکاروں، شراب کے آبشاروں، ناچ، گانے اور تھیٹروں کے درمیان مہاراجہ کو اُس خوفناک رات کا خیال بھی نہ رہا جب ایک جوشیلے نوجوان نے اُس پر قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ وہ سب کچھ بھول گیا۔ وہ رات۔ اُس رات کا اندھیرا، میری قید، میری قید سے رہائی۔

"تقریباً بیس سال کے بعد ایک سہانی صبح کو معلوم ہوا کہ مہاراجہ شکارگاہ میں ایک شیر کے پنجے سے ہلاک ہو گیا۔

"نئے مہاراجہ نے اپنی تخت نشینی کی خوشی میں بہت سے قیدیوں کو رہا کیا۔ مجھے بھی۔

"باہر آکر مجھے معلوم ہوا کہ میرے اور مہاراجہ کے درمیان جو واقعات پیش آئے تھے! ان کو دنیا کے علم میں آنے سے روک دیا گیا۔ میرے والد کی تمام جائداد چھین لی گئی۔ اور وہ افلاس کے عالم میں دنیا چھوڑ کر چلے گئے۔ گاؤں والوں نے مجھے یہ جگہ رہنے کے لئے دیدی۔ میری یہ جگہ! میرے بینگن! میری بھنڈیاں! میرے پھول! اور میں!"

کسان خاموش ہو گیا حقہ بجھ گیا۔ رات زیادہ بھیانک ہو گئی۔

"اچھا تو یہ ہے تمہاری تیسری اور سب سے زیادہ لمبی سزا!" اجنبی نے گہرے سوچ کے انداز میں کہا۔

"ہاں" کسان کی آواز میں شعلے کمزور ہو رہے تھے۔

"اور چوتھی سزا جس کی تم کو تمنا ہے؟"

کسان نے بجھا ہوا حقہ ایک طرف کرتے ہوئے کہا "اجنبی! کیا میں پوچھ سکتا ہوں

تم کون ہو؟"

اجنبی نے جواب دیا "میں ایک سوداگر ہوں۔ مجھے سب سے بڑی تکلیف یہ ہے کہ میرے پاس بے اندازہ روپیہ ہے۔ اتنا کہ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس کو کہاں خرچ کر دوں۔ ایک تجربہ کار شخص نے مجھے بتایا تھا کہ روپیہ بیرحمی سے خرچ کرنا ہو تو کسی عورت سے عشق کر لو۔ لیکن میں عورت سے عشق کرنے کے اس لئے خلاف ہوں کہ عشق کا نتیجہ شادی ہے۔ فرض کرو کہ میں کسی عورت سے عشق کر کے شادی کر لوں۔ پھر بھی میری مشکل حل نہیں ہوتی۔ ایک عورت کے لئے میرا روپیہ کافی سے زیادہ ہے۔ میں نے ایک دفعہ اندازہ لگایا تھا۔ میری دولت کم از کم ۸۴۱ عورتوں کی ذمہ داریاں برداشت کر سکتی ہے۔ لیکن مذہب اور سوسائٹی اتنی شادیوں کی اجازت نہیں دیتے۔ پھر کئی دوستوں نے کہا "چلو ایک ہی شادی کر لو۔ کچھ دولت تو کم ہو گی۔" مجھے دوستوں کا یہ مشورہ پسند نہیں۔ جب خیال آتا ہے کہ میرے وارث کو اتنی بڑی دولت مفت میں ہاتھ آ جائے گی تو میں حسد سے جل مرتا ہوں اور پھر یہ بھی تو ہے نا کہ اُس کو اتنا روپیہ خرچ کرنے کے سلسلہ میں اُنہیں مشکلات کا سامنا ہو گا جو اس وقت میرے سامنے ہیں۔ اس ملال میں زندگی گذر رہی ہے۔ اس غم کو غلط کرنے کے لئے تمہارے پاس آ بیٹھا ہوں ——"

کسان خاموش تھا۔

"پل بنانا، چاہ بنانا، مسجد بنانا، تالاب بنانا۔ ان میں سے کوئی چیز مجھے مرغوب نہیں۔ یہ میونسپلٹی کے فرائض ہیں۔ ہم میونسپل کمشنروں کے فرائض انجام دے کر اُن کو لوگوں کا روپیہ غصب کر جانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایسے ثواب کے کاموں کے صلے میں ہمیں آخرت میں ۷۰ ہزار گنا ثواب ملتا ہے۔ لیکن خود مذہب جُوا کھیلنے کی اجازت نہیں دیتا۔

کون جانتا ہے کہ ثواب ملے گا یا نہیں۔ اور پھر میں تو جوا کھیلتے کھیلتے تنگ بھی آ گیا ہوں۔ دس سال سے السٹریٹیڈ ویکلی کے کراس ورڈ پزل حل کر رہا ہوں اور اس میں کامیابی حاصل کر کر کے میرے پاس اتنا روپیہ جمع ہو گیا ہے کہ اب میرے سامنے اسکو خرچ کرنے کا مسئلہ درپیش ہے۔ سوچتا ہوں۔ اگر اسی مقدار میں میرے پاس ثواب جمع ہو گئے۔ تو میں اُن کو کیونکر اُٹھائے اُٹھائے پھرونگا"

کسان نے نہایت رازدارانہ لہجہ میں پوچھا "تم موجودہ مہاراجہ کے متعلق کچھ جانتے ہو؟"

"صرف اس قدر جانتا ہوں کہ وہ مہاراجہ ہے"۔

"اور یہ نہیں جانتے کہ مہاراجے اس زمانے کے بدترین جانور ہیں"۔

"ہوں گے"۔

"آج وہ اس شکارگاہ میں شکار کے لئے آیا ہے۔ اور وہ اپنے باپ کی ننگی تصویروں والے کمرے میں مقیم ہے۔ سُنا ہے اُس نے وہ ننگی تصویریں اُتار ڈالی ہیں۔ شاید اس لئے کہ وہاں اُسکی اپنی لی ہوئی تصویروں کے لئے جگہ نہ تھی"۔

"تو کیا اُس کے لئے بھی کوئی انتظام ہو رہا ہے؟"

"بیشک!"

"کون کرے گا؟"

"میں"۔

"تم! — کون جائے گی؟"

"میری بیٹی!"

سوداگر حیرت کی شدت سے چپ ہو گیا۔

کسان نے اپنی بات جاری رکھی "لیکن اس دفعہ چھری نہیں ہو گی، پستول ہو گا، بابو جی

نہیں ہوں گی، عمل ہو گا۔ ننگی تصویر نہیں ہو گی۔ تڑپتی لاش ہو گی۔"

سوداگر چُپ ہو گیا۔

کسان نے سونے کے لئے اپنی چٹائی نیچے بچھائی اور اس پر لیٹ گیا۔ سوداگر بھی چارپائی پر دراز ہو گیا

سوداگر نے لیٹے لیٹے کہا: "لیکن تم کو وقت سے پہلے اپنی سکیمیں بتا نہیں دینی چاہئیں"

کسان نے بھی لیٹے لیٹے کہا: "لیکن جو کچھ ہونا تھا ہو بھی چکا ہو گا!"

"اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کچھ بھی نہ ہوا ہو۔ پھر کیا ہو گا؟"

"پھر کیا ہو گا؟ چوتھی لمبی قید!"

"ہوں!"

خاموشی کا ایک لمبا وقفہ۔

نیند۔

صبح

صبح کی پہلی کرنیں اُن کو جگانے میں کامیاب نہ ہوئیں۔ ایک موٹر کے ہارن نے اُن کو جگایا۔

"مہاراج!"

"مہاراج!"

"یور ہائی نس!"

"یور ہائی نس!"

مغربی کپڑوں میں ملبوس چار آدمی موٹر سے باہر نکلے اور کسان کے باغیچے میں داخل ہو گئے

"مہاراج! ہم حضور کو تمام رات ڈھونڈتے رہے ہیں۔"

"توبہ توبہ! حضور نے ساری رات اس ٹوٹی ہوئی چارپائی پر گزاری۔"

"آخر حضور کو سوجھی کیا؟"

مہاراج نے انتہائی تمکنت سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اس کسان کو گرفتار کرلو۔"

کسان گرفتار کرلیا گیا۔

"اور جیل میں ڈال دو۔"

کسان نے مہاراج کی طرف دیکھا۔ ان چار آدمیوں کی طرف دیکھا۔ باغیچے اور بیلوں کی طرف دیکھا اور اندھیرے سے باہر نکلتے ہوئے گاؤں کی طرف دیکھا۔

کار سب کو لے کر چل دی۔

بیلوں کے گلے میں گھنٹیاں بجنے لگیں۔ بلبلیں کے اودے پھولوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

خُون

ساجا ایک اکیلے مُسافر کی مخصوص خاموشی کے ساتھ جہاز سے اُتر کر جیٹی پر کھڑا ہو گیا۔ چودہ سال کے لمبے عرصے نے اُدھر گھاٹ میں بہت سی تبدیلیاں پیدا کر دی ہونگی۔ وُہ اُن تبدیلیوں پر غور کرنے کی بجائے اپنی لٹھے کی نئی شلوار پر جہاز کے گندے ڈیک سے لگے ہوئے تیل کے دھبّوں کو دیکھنے لگا۔ ایک لمحے کے لیے اُس کے احساس کی چادر پر لال کے بڑے بڑے دھبّے آ گئے۔ ہنگلی کی ہلکی ہلکی لہروں نے جہاز کی سیاہ کھُردری دیواروں سے ہولے ہولے ٹکرا کر اُس کی شلوار کے سیّاہ دھبوں کو مٹا دیا۔ اُس نے بغل سے اپنی ململ کی، کلف سے اکڑی ہوئی نئی پگڑی نکال کر دیکھا۔ اُس کا دماغ اسے یہ نہ بتا سکا کہ کلف نے اس کی پگڑی میں بھی ہنگلی کی لہریں پیدا کر دی ہیں لیکن جب اُس نے اس پگڑی کو جھلمی انداز میں اپنے سر پہ باندھ لیا تو اُس کے دل نے محسوس کیا کہ وُہ ہنگلی کی لہروں میں نہا رہا ہے۔ ایک دفعہ پھر

اُس کی طبیعت میں دبی دبی مسرت کا خاموش اور ساکن سا طوفان برپا ہو گیا اور اُس نے لائنوں پر اِدھر اُدھر حرکت کرنے والی اُونچی اُونچی کرینوں کی طرف دیکھنے کی بجائے پاس سے گذرنے والے تیل سے بھیگے ہوئے چیتھڑوں میں ملبوس ایک کالے مریاڑ، مریل مردار بنگالی قلی کو کہا :-

"جوان تم کو معلوم ہے، پنجاب کو گاڑی کتنے بجے جاتی ہے"۔

قُلی نے بیڑی کا ایک لمبا کش لے کر دھوئیں میں سے جواب دیا۔

"ہمارے کو نئیں مالوم"۔

سانجے نے قلی کو جانے سے روکنے کے لئے کندھے کے پاس سے اس کی قمیص کا کپڑا پکڑ لیا۔

"اچھا یہ بتاؤ سٹیشن کو جانے والی سڑک کونسی ہے؟"

بودا کپڑا قلی کے معمولی جھٹکے سے سرے تک پھٹ گیا۔ قلی کے کالے مُنہ پر زرد آنکھوں میں سُرخ خون اُتر آیا۔

"تمارے کو ایک دفعے بولا ہم نہیں جانتا۔ پھر کائے کو پکڑتا؟"

سانجے کو غصہ آگیا۔ اُس نے ہوا میں ایک مُکہ بلند کر کے پنجابی اردو میں کہا

"شور ___ کا ___ پتُر"

قُلی جلتی ہوئی بیڑی سانجے کے مُنہ پر مار کر رفوچکر ہو گیا۔

اگر سانجے کے پاؤں کے پاس اس کا کالا ٹرنک نہ پڑا ہوتا تو وُہ اُس قلی کے پیچھے بھاگ کر اُس کو دریا میں دھکا دے دیتا۔ یا پھر کم از کم کسٹم والوں میں سے تو ضرور وُہ کسی ایک کو پیٹ ڈالتا اگر وہ جلدی اس کا چھٹکارا نہ کر دیتے۔ اچھا ہوا، سٹرینڈ روڈ

کے سرے تک اُس کو غصہ چڑھا رہا۔ ورنہ وُہ سٹیشن تک جانے کے لئے کسی رکشا والے کو آواز دے دیتا۔ اور خواہ مخواہ روپے بارہ آنے کا نقصان ہو جاتا۔ وُہ اپنی بغل میں ٹرنک دبائے جا رہا تھا۔

سٹر بنڈ روڈ پہ پہنچ کر اس کو ایک بنگالی بابو نظر آیا۔ ایک ہاتھ میں سفید کھدر کی دھوتی کا ایک کنارہ، جسم چاولوں کی بادی سے پھُولا ہوُا، کندھوں پر سر کی بجائے فٹ بال!
ساجا اُس کے پاس چلا گیا۔

"یہ سڑک کہاں جاتی ہے بابو جی؟"
"آپ کو کدھر جانے کو مانگتا مسٹر؟"
"سٹیشن۔"
"یہ سڑک تمہارے کو ہاوڑا برج لے جائے گا۔ برج کا دوسرا سائڈ ہاوڑا سٹیشن ملے گا"

ساجے نے سوچا کہ اگر وُہ پانچ جماعتیں نہ پڑھا ہوتا تو اس بنگالی بابو کی طرح اُردو بولتا۔ اور وُہ نمبر ۹۴۸ کس طرح اُردو کی چکھنا چوٹا کرتا تھا۔ "ہم نے تمہارے کو بولیا۔ ہمارے تاں پتھر کُٹ کُٹ کے ہتھاں ہیں چھالے پڑ گئے نے۔ اللہ نے تیرے کو جمعداری دتی ہے۔ گرانٹیں ہو کے بھی آپ ہماں لوکاں دا کھیال نہ رکھوں گا تاں —" نمبر ۹۴۸ بھی جہلم کے ضلع کا رہنے والا تھا۔ بیچارہ اَن پڑھ، ساجا بھی اگر اَن پڑھ ہوتا تو وُہ قیدیوں کا جمعدار نہ بن سکتا اور گرفتار ہونے پر اپنے آپ کو سراج الدین ولد معراج الدین نہ لکھاتا۔ بلکہ ساجا ولد ماجا لکھواتا۔ وُہ زہریلی ہنسی والا تھانے دار۔ ساجے کو کئی دفعہ خیال آیا کہ تھانے دار کا بھی خاتمہ کر ڈالے۔ کتنا اچھا ہوتا۔ اگر وُہ انگریزی سے ڈر کر پانچویں

جماعت سے نہ بھاگ اُٹھتا۔ جس طرح وُہ قلی اس کے مُکّے سے ڈر کر بھاگ گیا تھا بھاگ گیا نہیں تو وُہ اُس کی ریڑھ کی ہڈی توڑ ڈالتا اور پھر وُہی پولیس۔ پھر وہی چودہ سال یا شاید پھانسی۔ لیکن پھانسی کیوں ہوتی۔ اگر وُہ پانچویں جماعت سے نہ بھاگا ہوتا۔ شاید وُہ تھانیدار ہو جاتا۔ یا کم از کم سڑک کے دونوں طرف لگے ہوئے انگریزی کے ان اشتہاروں کو پڑھ سکتا۔ چودہ سال پہلے جب وُہ قیدیوں کی بند لاری میں اس سڑک سے گذرا تھا تو اُسے یہ خیال نہ تھا کہ یہ سڑک اتنی لمبی اور وسیع ہو گی۔ ادڑم گھاٹ پر وُہ جہازوں اور کرینوں کو دیکھ کر یہ بھُول گیا تھا کہ وُہ ایک طویل عرصے کے لئے اپنے عزیز وطن کو چھوڑ رہا ہے۔ جہاز، کرینیں، سمندر اور انڈمان۔

چاند پال گھاٹ کے سامنے پہنچ کر اُس نے دم لینے کے لئے اپنے ٹرنک کو فٹ پاتھ پر رکھ دیا۔ اپنی نئی سفید پگڑی کے شملے سے اپنے مُنہ اور گردن سے پسینہ پونچھا۔ سامنے کی دوکان سے دو آنے کے چنے مُول لئے۔ میونسپلٹی کے ایک نلکے پر پانی پینے کے لئے چلا گیا۔ جب وُہ ہاتھ دھو کر پانی پینے کے لئے جھکا تو یکایک اس کو کچھ فاصلے پر ایک رکشا جاتی دکھائی دی۔ وُہ ہڑبڑا کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ رکشا والے کا پیچھے کی طرف سے تین چوتھائی حصّہ نظر آ رہا تھا۔ ساجا پانی کو بھُول کر رکشا والے کو غور سے دیکھنے کے لئے آگے بڑھا۔ لیکن رکشا ریڈ روڈ کی طرف مُڑ گئی۔ اُس نے اپنے آپ سے کہا: "نہیں ــــ نہیں ــــ"

پانی پینے کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ سٹیشن ابھی دُور ہے۔ اس کی دبی دبی مسرت پر بوجھ کا ایک ہلکا سا چھلکا آ گیا۔ اُس نے محسوس کیا کہ اب وُہ ٹرنک کا بوجھ نہیں اُٹھا سکے گا۔ اُس نے ایک رکشا والے کو بُلایا۔ اپنا ٹرنک بھی اس میں رکھ دیا اور خود بھی اس میں

بیٹھ کر بولا۔ ہوڑا سٹیشن۔"

رستہ بھر اس کو اپنے دل پر ایک غیر معلوم وزن کا احساس رہا۔

ہاوڑا برج پر پہنچ کر معلوم ہوا۔ کہ پنجاب میل روانہ ہو چکی ہے۔ ساجے نے ہگلی کی لہروں کی طرف دیکھا۔ ہگلی ساجے کی زندگی کے گھنے جنگل میں سے خاموشی کے ساتھ بہی جا رہی تھی۔

اُس نے رکشا والے کو کہا۔ "مجھے یہیں اتار دے"۔

رکشا والے نے ٹرنک پُل کے ایک کنارے پر رکھتے ہوئے پُوچھا۔ "رات کو کدھر سونے کا ارادہ ہے؟" ساجے نے اس کی بات کا کچھ جواب نہ دیا۔ رکشا والے نے رکشا کا کرایہ لیتے ہوئے رازدارانہ انداز میں پھر کہا۔ "ہم بتائیں گا؟" ساجے نے انڈمان میں کلکتے کے رکشا والوں کی بابت بہت کچھ سُنا ہوا تھا۔ اُس نے ایک دفعہ حقارت سے رکشا والے کی طرف دیکھا اور پھر اپنے ٹرنک پر جا کر بیٹھ گیا۔ رکشا والا چلا گیا۔

سامنے ہگلی پر نیا پل بن رہا تھا۔ کتنا مشکل کام ہے پُل بنانا۔ خصوصاً جب دریا کا طاس بہت چوڑا ہو۔ پھر بھی پُل بن ہی جاتے ہیں۔ ہزاروں مزدوروں کے پسینے کے صدقے میں پسینہ بھی تو پانی ہے۔ پانی اگر مُفت نہیں ملتا تو بہت سستا مل جاتا ہے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ پسینہ انسان کے خون سے نکلا ہوا آبِ حیات ہے تو پانی کی قیمت بہت بڑھ جائے۔ لیکن پُل تو پھر بھی بنیں گے۔ پُل اسی طرح بنتے رہیں گے۔ پُل پُرانے ہو جایا کریں گے۔ اُن کی جگہ نئے پُل بنا کریں گے۔ وہ سامنے ہگلی پر بننے والا نیا پل بھی پرانا ہو جائے گا۔

پھر اُس کی جگہ ایک اور نیا پُل بنانا پڑے گا۔ کیا اُس نئے پُل پر بھی ساجا بیٹھے گا؟

لیکن ساجا اپنے لئے خود ایک نیا پل کیوں نہیں بناتا۔ اس کی زندگی کی بنجر زمین میں سے بھی تو ہگلی گذرتی ہے۔ اس ہگلی نے اُس کی زندگی کی بنجر زمین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ان دُور افتادہ حصّوں کو ملانے کے لئے ایک نئے پل کی ضرورت ہے اور ساجا ہگلی پر بننے والے نئے پل کی طرف دیکھتا رہا۔

آسمان پر شام کی شفق چھاگئی۔ بادلوں کی سُرخی نے ہگلی کے پانی پر سُرخی چھڑک دی۔ ساجے نے دیکھا کہ ہگلی میں خون بہا جا رہا ہے۔ خالص انسانی خُون۔ وہی خون جس نے آج سے پندرہ سال پہلے اُس کے کنوئیں کی منڈیر کو رنگ دیا تھا اور جس نے کنوئیں کی منڈیر سے بہ کر کھیتوں کی طرف جانے والے پانی کو ہگلی کے پانی کی طرح سُرخ کر دیا تھا۔ گودو کا خون اور گودو کے باپ کا خون۔ گودو جو کلکتے سے کبھی کبھی گاؤں میں آکر، سُوٹ بوٹ پہن کر لوگوں کو کہا کرتا تھا کہ وُہ اس کو گودو کی بجائے گوبند رام ورما کہا کریں۔ گودو جو گاؤں کی بھولی بھالی معصوم لڑکیوں کو کلکتے کے خواب دکھا کر اُن کو اکثر اپنے ساتھ بھگا لے جاتا تھا جو ساجے کے کنوئیں پر ہر روز اُس وقت نہانے کے لئے آیا کرتا تھا۔ جب ساجے کی نوجوان خوبصورت بیوی' دارد، ساجے کے لئے کھانا لے کر آتی تھی۔ ساجا اس کی حرکت کو خوب سمجھتا تھا۔ لیکن گاؤں میں کوئی کسی کو اپنے کنوئیں پر نہانے سے منع نہیں کر سکتا۔ پھر جب ایک دن وارد کپاس کے کھیت کے پاس غصّے اور گھبراہٹ سے ہانپتی ہوئی دوڑی دوڑی آئی اور ساجے کو کہنے لگی "گودو مجھے کہتا ہے۔ میرے ساتھ کلکتے چلو"۔ تو ساجے کے آتش فشاں پہاڑ کی دبی ہوئی آگ بھڑک اُٹھی۔ وُہ اس وقت ایک کلہاڑی سے اپنے کھیت کی باڑ کے چھدرے حصّوں میں کیکر کی جھنگیں لگا رہا تھا۔ وُہ پاگلوں کی طرح کنوئیں کی طرف بھاگا۔ پہلا وار گودو کے سر کے پاس سے ہو کر اُس کے کندھے میں اُتر گیا۔ دوسرے

وار کے وقت گودو لڑکھڑا کر پیچھے کی طرف گر رہا تھا۔ اس لئے کلہاڑی اس کے کولھے میں گڑ گئی۔ تیسرے وار کے وقت گودو کا باپ درمیان میں آگیا۔ پہلی ہی ضرب اُس پر اتنی کاری پڑی کہ اُس کی گردن ایک طرف کو لٹک گئی اور وہ سیدھے گرتے ہوئے گودو پر اوندھا گر پڑا۔ اسلئے بعد کی دو ضربیں بھی گودو کی بجائے گودو کے باپ پر ہی پڑیں۔ اس کے بعد گاؤں کے لوگ، وہ زہریلی ہنسی والا تھانے دار، مقدمہ، اور پھر چودہ سال کی قید۔ کالے پانی کو جاتے وقت جب اُس نے اپنے ماں باپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو اُس نے کہا: "مجھے آپ لوگوں کے آنسوؤں کا افسوس نہیں۔ اس بات کا افسوس ہے کہ جس کو میں مارنا چاہتا تھا۔ وہ بچ گیا اور جس کو میں مارنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ مرگیا۔ گودو بچ گیا۔ گودو کا باپ مرگیا۔" جب اُس نے دارو کی سسکیاں سُنیں۔ تو اُس نے کہا۔ "دارو! چودہ سال کوئی بڑی بات نہیں۔ میرا انتظار کرنا۔" اور پھر جب اُس نے اپنی دو تین سال کی بہن نوری کی طرف دیکھا۔ جو سب کو روتا دیکھ کر چیخیں مار مار کر رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی: "میں بھی ساتھ جاؤں گی۔ میں بھی ساتھ جاؤں گی۔" تو اُس کے دل کے کسی کونے میں پہلی دفعہ یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید اُس نے غلطی کی ہے۔ اُس نے نوری کو اُٹھا کر گلے سے لگا لیا اور کہا: "نوری —— نوری —— نوری۔" اور اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

—— اور اُس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ہنگلی کی لہریں شاید اُن آنسوؤں کو نہ دیکھ سکی ہوں۔ کیونکہ شفق کی سُرخی سلیٹی ہو کر سیاہی مائل ہو گئی تھی۔ گودو اور گودو کے باپ کا خون بھی دیر تک کنوئیں کی منڈیر پر جمع رہنے کی وجہ سے شام کے وقت سلیٹی ہو کر سیاہی مائل ہو گیا تھا۔ اُس نے اپنی پگڑی کے شملے سے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور جب اُس نے شملے کے اُس حصّہ کو دیکھا۔ جہاں اُس نے آنسو پونچھے تھے تو اُس نے دیکھا کہ اس کا دل بھی سلیٹی ہو کر سیاہی مائل

ہو گیا ہے اور یہ سیاہی شام کی سیاہی کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ وہ ڈر گیا۔ وہ ڈر گیا کہ کہیں رات نہ آ جائے۔ اُس نے اپنی طرف بڑھتے ہوئے سایوں کو اپنی پوری قوت سے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کی اور ایک دفعہ تو وہ ان بڑھتی ہوئی بھیانک تاریکیوں کو چیر کر اپنے گاؤں میں پہنچ گیا۔ جہاں اُس نے اپنے گھر کی دہلیز پر دارو کو اپنی چودہ سال کے انتظار سے پتھرائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔ وہ پاگلوں کی طرح اُس کو چومنے کے لئے بڑھا۔ لیکن یک بیک پُل پر بجلی کے قمقموں کی قطار روشن ہو گئی۔ اُس نے ایک ہارے ہوئے سپاہی کی دلدوز مایوسی کے ساتھ اوپر کو دیکھا اور اُس کو یقین ہو گیا کہ رات آ گئی۔

رکشا والے نے اُسی رازدارانہ لہجے میں کہیں سے آ کر کہا "دادا"۔

ساجا چونک گیا اور اس سے پہلے کہ اس کا دماغ اُس کے معاملے میں دخل دے سکتا۔ وہ اُٹھ کے کھڑا ہو گیا: "کہاں لے جاؤ گے؟"

"فسٹ کلاس پنجابن ہے ـــــ مس نیلم ـــــ کیسا پیارا نام ہے ـــــ"

کرائے کی کچھ باتیں ہوئیں اور رکشا چل پڑی۔

ہیرسن روڈ

گرے سٹریٹ۔

سونا گچھی

تھوڑی دیر کے بعد رکشا والے نے آ کر کہا "ہم تمہارے کو کیا بولیں گے دادا تم بڑا لگی ہے۔ وہ سالہ سینما جانے کو دیکھتا تھا۔ آؤ ـــــ آؤ" اور وہ ٹرنک اُٹھا کر آگے آگے چل پڑا!

چودہ سال کے بعد ساجا پہلی دفعہ ایک ایسی رات کے دروازے پر آیا۔ جس کے قفل کی چابیاں اس کے ہاتھ میں تھیں۔ وُہ رات اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ اس کے پیروں پہ پڑی تھی۔ وُہ اس کو ٹھکرا سکتا تھا۔ اُچھال سکتا تھا۔ جھنجھوڑ سکتا تھا۔ چاہتا تو قمقموں کی زرد روشنی میں رنگ دیتا۔ چاہتا تو اُس کو اندھیرے کے اتھاہ غار میں دھکیل دیتا۔ اختیار کے اس احساس نے اس کے جذبات میں آگ لگا دی۔

گندمی رنگ کی ایک پنجابی عورت جس کا سب سے بڑا حسن اس کی گدرائی ہوئی جوانی تھا۔ اپنے ہوشربا سینے کے ساتھ، اپنی بڑی بڑی معصوم آنکھوں کے ساتھ، گہرے سبز دوپٹے میں آسمانی رنگ کی ریشمی قمیص میں اور ساٹن کی سفید شلوار میں، اس کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔

"اندر آجاؤ —— کیا سوچتے ہو؟ —— اداس ہو؟"

"نہیں تو!"

وُہ اس کو بازو سے پکڑ کر اندر لے گئی۔ ایک کُرسی پر بٹھا دیا۔ کُرسی کے بازو پر بیٹھ کر اس کی پگڑی کے شملے سے کھیلنے لگی اور پھر ہنس کر اُس کی رانوں پر بیٹھ گئی۔ ساجے میں اختیار کا احساس جاگ اُٹھا۔ اختیار کے اس احساس نے اس کے جذبات میں آگ لگا دی اور جذبات کی اس آگ نے اس کو بے اختیار کر دیا۔ اُس نے نیلم کو اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا اور اپنے ہونٹوں کے انگاروں کو اس کی گالوں پر رکھ دیا۔ ایک منٹ، دو منٹ تین منٹ۔ وُہ گھبرا گئی اس نے ایک دو دفعہ سسی کی اور پھر لیکا یک اُٹھی کر کے اُسکے بازوؤں میں سے نکل گئی۔ وُہ اُٹھ کر اُس کے پیچھے بھاگا۔ ایک ہاتھ نیلم کی کمر میں چلا گیا، دوسرے ہاتھ نے بجلی کا قمقمہ بجھا دیا۔

کپڑوں کی سرسراہٹ ـــ اور ـــ اور ـــ

پھر روشنی ہوگئی۔ ساجا اپنی گبرڈین کی قمیص کے بٹن لگا رہا تھا۔ نیلم آئینے کے سامنے جا کر کھڑی ہوگئی اور پریشان بالوں میں کنگھی کرنے لگی۔ دوبارہ میک اپ کرتے ہوئے اُس نے کہا:۔

"سنو ـــ ہم سینما جا رہے ہیں ـــ سیکنڈ شو۔"

"نہیں نیلم، میں تمہیں نہیں جانے دوں گا۔"

"میری سہیلی آپا ہی چاہتی ہے۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے۔"

وُہ اس کے پیچھے جا کر کھڑا ہوگیا اور اُس کی بنگالی فیشن میں گوندھی ہوئی دو چوٹیوں کیساتھ کھیلتا رہا۔ کچھ عرصہ آئینے کے سامنے وُہ اس کے جسم کے مختلف حصوں کو سہلاتا رہا۔ پھر وُہ دونوں بستر پر لیٹ گئے اور امریکہ کے ایک رسالے میں سے ننگی تصویریں دیکھنے لگے۔ ساجے نے انگڑائی لے کر کروٹ بدلی۔ اُس کا بازو بیخودی میں نیم عریاں سینے پر چلا گیا۔ رسالہ پلنگ سے نیچے گر پڑا۔ بجلی کا قمقمہ بُجھ گیا اور پھر ـــ

ایک عرصہ تک پُر اسرار خاموشی کے بعد دونوں بستر پر لیٹے لیٹے اندھیرے میں باتیں کرنے لگے۔

"مجھے اپنا نام تو بتا دو۔"

"نام پوچھ کر کیا لو گی۔ کل شام کو جا رہا ہوں۔"

"کلکتے میں کیا کرتے ہو؟"

"یہاں تو میں آج ہی آیا ہوں۔"

"کہاں سے؟"

"کالے پانی سے"۔

"تم کالے پانی سے آئے ہو؟"

"ہاں"۔

"پھر تو تم سلجے کو جانتے ہو گے؟"

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ سوال ساجے کے دماغ پر پتھر کی طرح گرا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنے ارادے پر زور دے کر اپنی حیرت کو تجسس میں تبدیل کر لیا اور کمرے کا بلب روشن کرتے ہوئے کہنے لگا،

"ہاں میں سلجے کو جانتا ہوں۔ وہ میرا دوست ہے"۔

روشنی میں بھی وہ بالوں اور کپڑوں کی پریشان حالت میں اُسی طرح بے حجابانہ بستر پر لیٹی رہی اُس نے اپنے جسم کے ان حصّوں کو بھی جنہیں آدمیوں سے چھپایا جاتا ہے، چھپانے کی پروا نہیں کی اور کروٹ لیکر اپنی ہتھیلی میں اپنا سر رکھے ہوئے بے پروائی سے باتیں کرتی رہی۔

"پچھلے سال میں اپنے گاؤں میں گئی تھی۔ سلجے کی بہن نزدیک کے گاؤں سے میرے پاس آئی اور مجھے کہنے لگی، تم کلکتے میں رہتی ہو۔ کلکتہ کالے پانی کے پاس ہے۔ کالے پانی میں میرا بھائی رہتا ہے۔ اُس نے پچھلے پانچ سال سے ہمیں کوئی خط نہیں لکھا۔ اگر تم کو وہ کہیں ملے تو اُس کو میرا پیغام دے دینا"۔۔۔۔

ساجا بے چینی کے ساتھ اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔

"ہاں، میں جانتا ہوں، وہ بڑا لاپروا ہے۔ اُس نے ضرور ایسا کیا ہو گا۔ اُس نے ضرور کوئی خط نہیں لکھا ہو گا"۔

"۔۔۔۔ اُس نے مجھے کہا کہ اگر تم کو ساجا ملے تو اُس کو بتانا کہ ہمارے ماں باپ غم سے

نڈھال ہو کر مر گئے ہیں۔ ہماری ساری زمین بک گئی ہے۔ اُس کی بیوی دارو اسی گودو کے ساتھ جس کو ساجے نے قتل کرنے کی کوشش کی تھی، بھاگ گئی ہے ـــ گودو کی بابت معلوم ہوا کہ وُہ کلکتے میں کوئی اچھا کاروبار نہیں کرتا۔ وُہ وہاں رکشا چلاتا ہے اور بازاری عورتوں کا دھندا کرتا ہے۔ اُس نے دارو کو بھی بازار میں بٹھا دیا ہے ـــ"

ساجے پر غشی کی سی حالت طاری ہو گئی۔ لیکن زہر کے ان گھونٹوں نے جو ساجے نے پئے تھے اس کے چہرے پر ظاہر نہیں ہونا چاہئیے۔ اس بازاری عورت کے سامنے اُس کو یہ راز فاش نہیں کر دینا چاہئیے کہ وہ بدکار عورت اُسی کی بیوی ہے۔ وُہ دیوار پر ایک تصویر کو دیکھنے لگا۔ لیکن اس کو اس میں اصلی نقوش کی بجائے ریڈ روڈ کی طرف مڑنے والی رکشا دکھائی دی اور ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی اس کے کانوں میں کہہ رہا ہے "ہاں۔ ہاں"

نیلم کی آواز مدھم ہو گئی۔ اُس کے الفاظ بھیگ گئے:

"ـــ اُس نے کہا۔ ساجے کو بتانا۔ اب میرا دنیا میں کوئی نہیں۔ نمبردار کے بچے کھلاتی ہوں۔ گوبر کوڑا اُٹھاتی ہوں۔ گالیاں سہتی ہوں۔ مار کھاتی ہوں ـــ"

ساجا بڑبڑا اُٹھا۔

"نیلم میں جاتا ہوں۔"

"کہاں؟"

"میں ابھی ساجے کو یہ سب باتیں بتاؤں گا۔ میں اُس کو مجبور کر دوں گا کہ وُہ ابھی اپنے گاؤں کو چلا جائے۔ اسے رات ہونے سے پہلے چلا جانا چاہئیے تھا۔ وُہ مورکھ ہے۔ وُہ نہیں جائیگا۔ وُہ نہیں جائے گا۔"

نیلم حیران ہو کر بیٹھ گئی اور اپنے کپڑے سنبھالتی ہوئی بولی:

"تو کیا ساجا کلکتے میں ہے؟"

"ہاں۔"

"تو اس کو فوراً جا کر کہدو کہ وہ اپنے گاؤں کو نہ جائے۔"

ساجے نے ایک لمحہ خاموش حیرت سے نیلم کی طرف دیکھا اور پھر اسی تیقّن کے انداز میں کہا "ساجا ضرور اپنے گاؤں کو جائیگا۔ کیا وہ اپنی بہن کی یہ حالت ——"

"بلکہ اس کو ان باتوں میں کوئی ایک بات بھی نہ بتانا اور اُس کو گاؤں تو ہرگز نہ جانے دینا۔"

"کیوں نہ جانے دوں آخر؟"

"اُس کا گاؤں جانا بیسود ہو گا۔ اُس کی بہن اُس کو وہاں نہیں ملے گی۔"

"کیوں نہیں ملے گی؟"

"میں اس کی بہن ہوں۔"

ساجے کی کنپٹیاں پھٹنے لگیں۔ اس کا دماغ دھواں بن کر کمرے میں پھیلنا شروع ہو گیا بجلی کی روشنی چھوٹے چھوٹے دھبے بن کر اُڑنے لگی۔ اس رنگ برنگے دھندلکے میں اس کو اپنے کالے ٹرنک کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ وہ کالے ٹرنک پر اپنے ہاتھوں میں اپنی کنپٹیاں لیکر بیٹھ گیا۔

نیلم پلنگ کے پاس کھڑی ساجے کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

سیڑھیوں میں سے پیروں کی آہٹ نے ساجے کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔ جذبات کے غاروں میں سے نکلنے کی کوشش میں اس کو کچھ راحت محسوس ہوئی۔

"نیلم —— جلدی —— جلدی —— نی —— لم۔"

اور دوسرے لمحے نیلم کی سہیلی دروازے پر آ گئی۔ ساجے کے زخمی دماغ نے ایک اور تازہ زخم کھایا۔ درد کے رُکے ہوئے سیلاب میں بھیگی ہوئی آواز پھڑپھڑائی۔

"دارو —"

اور دارو نے دروازے کی چوکھٹ کو مضبوطی سے پکڑ کر گرنے سے بچتے ہوئے حیرت آمیز مردہ لہجے میں کہا۔

"ساجا!"

نیلم نوری بن کر تھرا گئی۔ اس کے رونگٹے اس کے جسم پر دوڑنے لگے۔ اس کے جسم سے تارے ٹوٹ ٹوٹ کر گہرائیوں کی طرف بھاگنے لگے اور جب نوری کو یقین ہو گیا کہ وہ عنقریب کسی بھیانک چٹان سے ٹکرا کر فنا ہو جائے گی تو اس کے خشک گلے اور خشک ہونٹوں سے ایک دل ہلا دینے والی چیخ نکلی اور وہ پلنگ کی بیک سے ٹکرا کر فرش پر گر پڑی۔

"بھیّا — بھیّا — یہ کیا — میرے اللہ — میرے اللہ —"

ساجا کالے ٹرنک پر پتھر بن گیا۔ اس کی پتھرائی ہوئی آنکھوں کے سامنے انڈمان کے قیدی انسانی دماغوں کے پتھروں کو ہتھوڑوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر رہے تھے۔ رنگ برنگے دھندلکوں اور روشنی کے چھوٹے چھوٹے دھبوں کے درمیان ہگلی بہہ رہی تھی۔ ہگلی کی طوفانی لہروں پہ ایک رکشا والا اپنی رکشا دوڑائے جا رہا تھا نئے ہاوڑا برج کے پاس ایک سمندری جہاز اس رکشا سے ٹکرا کر ڈوب گیا۔ خزاں دیدہ جنگل کے تمام پتّے جھڑ کر ہگلی میں بہہ گئے ۔

اُفق کے زینے پر

سُنسان اور ساکن سڑک پر تنہا اور خاموش ملبب تاریک رات کے سیاہ پردوں میں شگاف معلوم ہوتا تھا

میں اندر چلا گیا۔

آسمان پر پورا چاند، دلکش اور درخشاں، زمین پر دُور تک ریگستان، سفید اور چمکدار، سامنے بے کراں سمندر، سیاہ اور ساکن، دائیں جانب پہاڑوں کا ایک سلسلہ، خوفناک اور لامتناہی، پہاڑوں کے سائے میں ایک مسجد، پاکیزہ اور خوبصورت۔ میں یہ منظر دیکھ کر حیران ہو گیا۔

اِس قدر غیر آباد مقام

نہایت خوبصورت مغربی لباس میں، ایک نہایت خوبصورت مغربی لڑکی اپنا کیمرہ لیے ہوئے ایسی جگہ کھڑی تھی۔ جہاں سے وہ ریگستان، سمندر، پہاڑ اور مسجد کی تصویر لے سکتی تھی۔

یکایک اُس کو فوکس میں مسجد کے صحن کے سامنے سرو کے اونچے اونچے درختوں کے درمیان ایک شخص نظر آیا۔ وہ چونک گئی۔ اُس نے کیمرے سے اپنی نظریں اٹھا کر مسجد کی طرف دیکھا۔ تاتاری

لباس میں تاتاری چہرے کا آدمی اُس کی طرف آرہا تھا۔ اُس نے ڈر کر اپنا کیمرہ اپنے کندھے پر لٹکا لیا۔

"تم کون ہو؟"

اُس نے لڑکی کے سوال کی کوئی پروا نہ کی۔ اُس کی نظریں اُس کے خوبصورت مجسمے پر گڑی ہوئی تھیں۔ صحن سے نکل کر بیرونی روشوں میں سے ہوتا ہوا وہ ریت میں آگیا۔ اُس کے پیچھے پاؤں کے بڑے بڑے گہرے نشان پیدا ہو رہے تھے۔ پتھر کے ایک بُت کی طرح وہ لڑکی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ خاموش، بے حرکت۔

پھر جب اُس کے منجمد ہونٹوں میں جنبش آئی ——

"شعلۂ جوالا —— محشر بداماں —— جادوئے سامری ——"

"میں پوچھتی ہوں تم کون ہو؟" ؎

"من کہ آزارِ کشِ غمزۂ خونریز توام　　معذرت خواہِ نگاہِ کرم آمیز توام"

"انگریزی بولو۔ میں سمجھ نہیں سکتی تم کیا کہتے ہو۔"

"نگہِ لطف بفرما بمنِ زار کہ من　　نو گرفتارِ خمِ زلفِ بلاخیز توام"

"یا کم از کم اُردو بولو۔"

"اُردو۔"

"میں نے اُردو کا ہلکا سا کورس لیا ہے۔"

"اُردو جس کو میں نے جنم دیا تھا؟"

"تم نے؟"

"اگر میں نہ ہوتا تو اُردو بھی نہ ہوتی۔"

"تم کون ہو؟"

"شاہجہاں۔"

"شاہجہاں۔"

"ہندوستان کیا شاہنشاہ شاہجہاں۔"

"اور وہ عمارت کیا ہے؟"

"تاج محل۔"

"لیکن تاج محل تو ہندوستان میں ہے۔"

"تم ہندوستان میں کھڑی ہو۔"

"ہندوستان!"

لڑکی کی حیرت سے لبریز آنکھیں اپنے ماحول کا جائزہ لینے لگیں۔ وہی دلکش اور درخشاں چاند، وہی سفید اور چمکدار ریگستان، وہی سیاہ اور ساکن سمندر، وہی خوفناک اور لاتناہی پہاڑوں کا سلسلہ وہی بھیانک اور غیر آباد وسعت۔ یہ ہندوستان ہے، چالیس کروڑ آدم زاد جانوروں کا مسکن! کیا کتابیں غلط بیانیوں سے لبریز تھیں؟

اس اثنا میں شہنشاہ اُس کے نزدیک آگیا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں تم کون ہو؟"

"میرا نام مس گرین وڈ ہے میری عمر ۲۹ سال کی ہے میں نے ابھی شادی نہیں کی۔ پانچ سال تک اور شادی کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی میں انگلستان کی رہنے والی ہوں۔ ہندوستان کی سیر کیلئے آئی ہوں۔"

"ہندوستان جنت نشان سب کو کشاں کشاں اپنی طرف لئے آتا ہے۔"

"مختلف کتابوں میں ہندوستان کے حالات پڑھ کر مجھے اس عجیب ملک کو دیکھنے کا اس قدر اشتیاق ہو گیا تھا کہ مجھے اس جنون میں اپنی ملازمت سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ نو سال کی بیویاں!

اکیس سال کے بوڑھے! ساٹھ سال کے بچے! نیلے رنگ کی لمبی لمبی نہروں سے سیراب ہونے والے گلی کوچے! مچھروں اور مکھیوں کی موسیقی اور رقص میں ڈوبے ہوئے کچے مکانات! ہندوستان کی ان تمام چیزوں میں میرے لئے بے اندازہ دلچسپی تھی۔ یہ چیزیں ہمیں انگلستان میں نصیب نہیں ہوتیں۔"

"ان چیزوں کے علاوہ تمہیں ہندوستان میں کوئی اور چیز دلچسپ معلوم نہیں ہوئی؟"

"لیکن ان دلچسپیوں میں سے مجھے ایک بھی یہاں نظر نہیں آتی، اس سنسان، بیابان میدان میں۔"

"تم جن کو دلچسپیاں کہتی ہو، وہ تمام اس ریت کے نیچے دبی ہوئی ہیں۔ سفید اور چمکدار ریت کے نیچے، مدت ہوئی ایک دن شام کے وقت میں تاج کے ایک مینار پر کھڑا تھا۔ ہندوستان کی تمام دلکشیاں میری آنکھوں کے نیچے کھیل رہی تھیں، یکایک مغرب کی طرف سے ریت کا ایک بے پناہ سیلاب نمودار ہوا۔ اور میرے دیکھتے دیکھتے ہندوستان پر اس سرے سے اس سرے تک حاوی ہو گیا۔ صبح کے وقت ہندوستان ریت کا ایک ٹیلہ تھا۔ سفید اور چمکدار ریت کا ٹیلہ!"

"اور تاج؟"

"مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ تاج ریت میں نہیں دب سکا کیونکہ وہ ریت کی طرح سفید اور چمکدار تھا۔"

مس گرین وڈ نے تاج کی طرف دیکھا۔ وہ سیاہ اور ساکن سمندر کے سامنے زیادہ سفید اور زیادہ چمکدار معلوم ہوتا تھا۔

"مسعود پرویز!"

"مس گرین وڈ ہے میرا نام۔"

"مس گرین وڈ، میں نے پوچھا تھا تمہیں ہندوستان میں کوئی اور چیز دلچسپ معلوم نہیں ہوئی۔"

"نہیں۔"

"مثلاً تاج؟"

"تاج کی تعمیر میں جتنا روپیہ جتنا وقت اور جتنی محنت صرف ہوئی ہے۔ اُس سے ایک مردہ قوم کو دوبارہ زندہ کیا جا سکتا تھا۔ تاج میں مرمر کی سلیں نہیں، ہماری فاقہ کش رعایا کی بے شمار ہڈیاں ہیں۔ تاج کی روشوں کے درمیان شفاف پانی کی دلکش نہریں نہیں۔ بھوکے کسانوں کی ننگی کھیتیوں سے بہتا ہوا پسینہ ہے۔ پُرانے زمانے میں خود مختار بادشاہوں کا شراب، شکار، عورت اور عمارت کا شوق جنون تک پہنچا ہوا تھا۔ عشرت کی اس بے لگام زندگی کی بنیادیں لوگوں کے کمزور ہاتھوں سے چھینے ہوئے لقموں پر قائم تھیں۔"

شاہجہان کی پیشانی پر بل آگیا۔

"لڑکی! تو جانتی ہے تو کس سے باتیں کر رہی ہے؟"

"اور تم جانتے ہو تم کس سے باتیں کر رہے ہو؟"

"میں شاہنشاہ ہوں۔"

"میں کمیونسٹ ہوں۔"

"ہو سکتا ہے تم کو بادشاہوں کی وہ شاہانہ عادتیں پسند نہ ہوں لیکن تم کو میرے سامنے اپنی رائے ظاہر کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

"مجھے وہ عادتیں ناپسند نہیں۔ میں صرف یہ کہتی ہوں کہ ان نایاب نعمتوں کا حق غریبوں کو بھی ہے۔ رعایا اپنے بادشاہ کی مسرتوں میں شریک ہونے کی مجاز ہے۔"

"چپ! گستاخ لڑکی! تو چاہتی ہے بادشاہ گدا کے سامنے جھک جائے؟"

"بادشاہ گدا کے سامنے جھک چکا ہے۔ اب ایک معمولی آدمی زندگی کی تمام ضروریات خرید سکتا ہے، جن تک صرف بادشاہوں کو رسائی حاصل تھی۔ صرف اتنا فرق ہے کہ سوداگر وہی چیز بادشاہ کو معمولی آدمی کے مقابلے میں زیادہ قیمت پر فروخت کرتا ہے۔ بادشاہوں کی تمام شاہانہ عادتیں

اب معمولی آدمیوں کی معمولی علامتیں ہیں قیمتی سے قیمتی شراب ہزاروں کتوں کے ساتھ شکار، نہایت خوبصورت عورتیں، نہایت عالی شان عمارتیں۔"

"تاج سے بہتر؟"

"تاج ایک معمولی بلڈنگ ہے۔ تاج تو خوبصورتی میں آج کل کے ایک معمولی تھیٹر کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

"تھیٹر؟"

"تھیٹر تفریح کے لئے ایک خوبصورت بلڈنگ ہوتی ہے۔ جہاں شام کے وقت لوگ تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔"

"تو کس قدر بیوقوف لڑکی ہے۔ مقبرے کا مقابلہ تھیٹر سے کرتی ہے۔"

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تاج کو دیکھنے والے تاج کے بانی اور تاج کے بانی کی بیوی کا ماتم کرنے کیلئے آتے ہیں! تمہارا خیال غلط ہے۔ تاج کو دیکھنے والے صرف تاج کو دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ تاج کو دیکھ کر اُن کے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوتا کہ یہ شاہکار دو محبت کرنیوالے دلوں کا عکس ہے وہ جانتے ہیں کہ تاج کو پیدا کرنے والے جذبات وہی ہیں جنہوں نے لال قلعہ پیدا کیا ہے۔ ایک زندگی میں رہنے کے لئے شاندار عمارت، دوسرا موت کے بعد آرام کرنے کے لئے عالیشان محل دونوں حالتوں میں عشرت پسندی کا کم گہرا جذبہ کام کرتا ہے۔ تاج کو دیکھنے والے اگر کسی وجہ سے تفریح کے لئے کسی تھیٹر میں نہ جا سکیں تو وہ تاج دیکھنے کے لئے آجاتے ہیں۔"

"لڑکی! تو بالکل جاہل ہے معلوم ہوتا ہے۔ تو نے ہندوستان کی تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا اگر تو ہندوستان کی تاریخ سے واقف ہوتی تو تجھے معلوم ہوتا کہ میری موت دو دفعہ واقع ہوئی تھی ایک دفعہ ۱۶۵۸ میں سیاسی موت۔ دوسری ۱۶۶۶ میں جسمانی موت۔ لیکن ان دو موتوں کے باوجود

میں زندہ ہوں اور مجھ کو یہ ابدی زندگی بخشنے والا میرے تاج کا حسن ہے ۔۔۔"

مس گرین وڈ ایک بلند قہقہے میں پھوٹ پڑی۔ خاموش فضا میں ایک حسین موسیقی مرتعش ہوگئی۔

"تم ہنستی ہو؟"

"تمہاری غلط فہمی پر۔"

"غلط فہمی!"

"تم کو یہ روحانی زندگی بخشنے والا تمہارے تاج کا حسن نہیں میں ہوں۔"

"تم!"

"میں فری میسن سوسائٹی کی ممبر ہوں۔ فری میسن سوسائٹی کے ممبر روحوں سے باتیں کر سکتے ہیں میں دنیا کے تمام بڑے بڑے آدمیوں کی روحوں سے ملاقات کر چکی ہوں۔ چند مہینے ہوئے میں نے تمہارے والد شاہنشاہ جہانگیر کو بھی لیبوریٹری میں بلایا تھا۔ تمہارے تاج کا حسن نہیں بلکہ میری کشش تم کو یہاں کھینچ لائی ہے۔"

شاہجہاں کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے اپنے پاؤں کی طرف دیکھا۔ اس کے پاؤں ٹخنوں تک ریت میں دھنسے ہوئے تھے۔ ایک شاہنشاہ کے پاؤں! اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ ایسا کیوں ہے؟ پھر اس کی نظریں مس گرین وڈ کی اونچی ایڑی کی خوبصورت گرگابی میں اس کے خوشنما پاؤں پر چلی گئیں۔ ایک لمحے کے بعد اس کی شخصیت مس گرین وڈ کی مکمل نسائیت میں گم ہوگئی۔ اس نے اپنے سوال کے جواب میں ہولے سے کہا "کشش"۔

پھر جیسے وہ بڑبڑا اٹھا ہو۔

"شعلۂ جوالا ۔۔۔۔ محشر بداماں ۔۔۔۔ جادوئے سامری ۔۔۔۔"

"کیا؟"

"مجھ میں زندگی پھونکنے والا ناج کا حسن نہیں۔ تمہارا حسن ہے۔"

"تم سمجھدار ہو۔"

"عرفی، نظیری، اور حافظ کا نگارِ غمزہ شعار تمہارے پیروں کا میل ہے! اگر وہ زندہ ہوتے۔"

"کون؟ کون؟"

"عرفی، نظیری اور حافظ فارسی کے بہت بڑے بلند پایہ شاعر تھے۔"

"میں اُن کو اپنی لیبورٹیری میں بلاؤں گی۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم کو دیکھ کر وہ اپنے دیوانوں کے پرخچے پرخچے کر کے آگ میں پھینک دینگے اور تمہارے حسن کا جادو صرف ایک رات میں اُن کے لئے نئے دیوان مرتب کر دے گا۔ وہ گیسوئے مشکیں اور چشم غزالیں کی پرستش صرف اِس لئے کرتے تھے کہ اُن کی نظروں کو ان سے زیادہ حسین چیزیں نصیب نہ ہوتی تھیں۔ اُس وقت مشرق کے دروازے مغرب کے لئے بند تھے۔ اور مشرق کی حسن پرست نگاہیں مغرب کے ہوشربا حسینوں سے دوچار نہ ہوتی تھیں۔ مشرقی نگار کے مقابلہ میں کوئی حریف نہ تھا۔ ہمارے ادیبوں نے اُس کے تخیل کو حسن کی انتہائی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ کاش وہ اپنے نظریئے قائم کرنے سے پہلے تم کو دیکھ لیتے۔"

"تم ذہین ہو۔"

"تمہارے سنہری بال! تمہاری سبز آنکھیں! تمہارے سرخ رخسار! تمہارے خونیں ہونٹ! تمہارا مرمریں بدن! تمہارا خوبصورت لباس! تمہارا سرو جیسا قد! جب میں نے تمہیں دور سے دیکھا تو تم مجھے نہایت خوبصورت رنگوں کا ایک نہایت خوبصورت امتزاج نظر آتی تھیں کسی ملکوتی مصور کا ملکوتی شاہکار! مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ تم عورت ہو۔ اِس فانی دنیا سے متعلق! تم جنت کی ایک حور معلوم ہوتی تھیں۔ جنت کی حور جو چاند کی شعاعوں کے ذریعے زمین کی سیر کو

آگئی ہو جب میں تمہارے نزدیک آیا تو مجھے رنگوں کے اِس مجموعہ سے نہایت فرحت زا خوشبو آئی۔ رنگ اور بو۔ تم ایک پھول ہو! تم ایک حسین خواب ہو!"

"شکریہ!"

"اُف میں دیوانہ سا ہوتا جا رہا ہوں"

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"اے مجھ کو زندگی کی نعمت بخشنے والی حسینہ! میں تیرے سنہری بالوں کو چھونا چاہتا ہوں"

"تم میرے بالوں کو چھو سکتے ہو"

شاہجہاں ایک والہانہ انداز میں مس گرین وڈ کی طرف بڑھا۔ اُس نے اپنا بایاں ہاتھ سنہری بالوں کی لہروں میں غرق کر دیا۔ مس گرین وڈ نے اپنا سر شاہجہاں کے سینے پر رکھ دیا۔ شاہجہاں کے سامنے تاج چاند کی شعاعوں پر رقص کرنے لگا۔

پہاڑوں کا خوفناک سلسلہ اور سیاہ اور ساکن سمندر پیچھے کی طرف بھاگنے لگے۔ سفید اور چمکدار ریت اُن کی چھوڑی ہوئی زمین پر مسلط ہوتی چلی گئی۔

"حریر اور پرنیاں سے زیادہ ملائم! آبشار کی لہروں سے زیادہ دلکش! سونے کے ساز کے سنہری تار! میں حریر اور پرنیاں سے کھیل رہا ہوں۔ میں آبشار کی دلکش لہروں میں بہا جا رہا ہوں میں سونے کے تاروں سے سنہری نغمے سن رہا ہوں ——— میں ——— میں ———"

"میرے بازو!"

"تمہارے بازو! آہ تمہارے بازو! میرے ہاتھوں نے آج تک ایسی نرم اور نازک چیز کو نہیں چھوا۔ مرمر کی طرح! نہیں! نہیں! تاج کا مرمر تمہارے بازو کے مرمر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تاج کا بے جان اور سخت مرمر! تمہارے بازوؤں میں لچک ہے۔ تمہارے بازوؤں میں حرارت

ہے تم ——— تم ———"

"میری آنکھیں"۔

"تمہاری آنکھیں! آہ! تمہاری آنکھیں! کسی سرسبز وادی کا سبز رنگ! جہاں دل کی دنیا کھنچی جاتی ہے۔ پلکوں کے تیز اور لمبے خنجر جس کی حفاظت کرتے ہیں۔ آج میں اُس حسین وادی کی آغوش میں ہوں ——— میں کتنا خوش قسمت ہوں ——— میں کتنا خوش قسمت ہوں۔"

"میرا قد!"

"تمہارا قد! آہ! تمہارا قد! سامنے تاج کے سربلند مینار جمنا کے پانی میں اپنے آپ کو سرنگوں دیکھتے ہیں۔ تاج کی روشوں پر شرمندہ سرو جھکی ہوئی نظروں سے تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں تمہاری شاندار ننگی پنڈلیاں ہیرے تخت طاؤس کے خوبصورت قیمتی پایوں پر ہنستی ہیں۔ تمہاری دلکش نازک انگلیاں لال قلعہ کی دیواروں پر پُر تکلف مینا کاری کرنے والے موقلموں سے زیادہ لطیف اور زیادہ حسین ہیں۔ تمہارا جسم نسوانیت کی تکمیل ہے۔"

"میرا لباس!"

"تمہارا لباس! آہ! تمہارا لباس! ایران کی ساری بہاریں تمہارے خوبصورت لباس میں سموئی ہوئی ہیں۔ تم اپنے لباس کے ساتھ تتلیوں اور پھولوں کا ایک متحرک طوفان ہو۔ تم کو خراماں خراماں ارم دیکھتے ہیں۔ تمہارا خوبصورت لباس تمہارے خوبصورت جسم کے ان حصوں کو جو عاشق کے لئے راحت کا سرمایہ ہوتے ہیں، حاسدانہ انداز میں پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ تمہارا چہرہ! تمہارے ننگے بازو! تمہاری ننگی پنڈلیاں، تمہارا ننگا سینہ! اُف!"

"میرے ہونٹ!"

"تمہارے ہونٹ! آہ! تمہارے ہونٹ! ———"

"میرے رُخسار!"

"تمہارے رُخسار! آہ! تمہارے رُخسار! ——"

مس گرین وڈ کے جسم میں ایک لطیف اور پُرمعنی اضطراب نے شاہجہان کے جذبات میں ہیجان برپا کر دیا۔ اور یک بیک اُس نے اپنے دماغ کو مس گرین وڈ کے رخسار اور ہونٹوں کے لئے نادر تشبیہیں ڈھونڈنے سے قاصر پایا۔ لیکن مس گرین وڈ جواب چاہتی تھی۔ شاہجہاں کو جواب دینا پڑا۔ وہ جواب جواب نہیں ہوتا۔ وہ جواب جو صرف جواب ہوتا ہے۔

شاہجہاں کے تھرکتے ہوئے ہونٹ مس گرین وڈ کے لرزتے ہوئے ہونٹوں سے پیوست ہو گئے۔

مے نوشی! مدہوشی! خاموشی!

اور پھر یکایک تاج کی روشوں میں آہٹ محسوس ہوئی۔

"جہاں پناہ!"

جب دونوں کی آنکھیں کھلیں تو اُنہوں نے اپنے پاس ممتاز محل کو کھڑے پایا۔

"جہاں پناہ! میں کیا دیکھ رہی ہوں؟"

"کچھ نہیں، ارجمند بانو! یہ زائرہ بہت دور سے تمہارا روضہ دیکھنے کے لئے آئی ہے۔"

"میں سمجھتی ہوں جہاں پناہ!"

"کیا؟"

"آج مجھ پر اس راز کا انکشاف ہو گیا ہے۔ کہ آپ نے میرے لئے اتنا عالیشان مقبرہ بنوانے کی زحمت کیوں گوارا فرمائی۔"

"تمہاری بے پناہ محبت، ممتاز محل!"

"نہیں!"

"پھر؟"

"آپ جانتے تھے کہ اگر ہماری آخری آرامگاہ خوبصورت اور شاندار ہوگی۔ تو بہت سی خوبصورت اور شاندار لڑکیاں اس کو دیکھنے کے لئے آیا کریں گی۔ اور اس طرح آپکے آوارہ جذبات کو تسکین مل جایا کرے گی۔"

"یہ بدگمانی ہے، بیگم۔"

"میری آنکھوں نے مجھے دھوکا نہیں دیا۔"

"میں بیمار ہوں، ممتاز!"

"بیمار!"

"تم جانتی ہو، سامنے اُن پہاڑوں کے سلسلے ہیں۔ اس ٹوٹی ہوئی بھیانک چوٹی پر مجھے کبھی کبھی سیاہی مائل ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ نظر آتا ہے۔ اُس کے سامنے سیاہ لکڑی کا بنا ہوا ایک آلہ ہوتا ہے جس کو وہ بڑی محویت سے گھماتا دکھائی دیتا ہے، آلے کی دھیمی دھیمی گونج سے ریگستان کی ریت تھکی ہوئی رقاصہ کی طرح ناچنے لگتی ہے۔ اور سمندر کا ساکن پانی کسی لسپت ہمت طوفان کی مانند ہلنے لگتا ہے تمہیں معلوم ہے کہ یہ نظارہ دیکھ کر میں کس قدر خوفزدہ ہو جاتا ہوں میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مجھ پر غشی سی طاری ہو جاتی ہے۔"

"جانتی ہوں۔"

"یہ لڑکی میرے اس مرض کا علاج کر رہی تھی۔ اس کو روحوں پر قابو حاصل ہے۔ یہ تمام روحانی بیماریوں کا علاج جانتی ہے۔ روحانی بیماریوں کی طرح اس کا علاج بھی حیرت انگیز ہے وہ مجھ پر منتر پڑھ رہی تھی، منتر کے اثر سے ہم پر بے ہوشی سی طاری ہو گئی۔ غالباً اس بیہوشی

ہیں ہم ایک دوسرے کے زیادہ نزدیک ہو گئے۔ تم کو بدگمانی ہو گئی۔ تمہاری بدگمانی ہماری محبت کا ثبوت ہے۔ ہماری محبت بدگمانی سے پختہ تر ہوتی ہے۔"

مس گرین وڈ اپنے پرس سے آئینہ نکال کر اپنے چہرے کا پاؤڈر، روج اور لپ اسٹک درست کر رہی تھی، اُس کے چہرے پر پاؤڈر روج اور لپ اسٹک کی بے ترتیبی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ وہ اُن کونئے سرے سے "رہزنِ تمکین و ہوش" بنانے کی کوشش میں اِس قدر محو تھی کہ اُس کو شاہجہاں، ممتاز محل اور ماحول کی موجودگی کا بھی اعتراف نہیں تھا۔

ممتاز محل نے مس گرین وڈ کی طرف چڑھی ہوئی سُرخ آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بے شرم لڑکی!"

مس گرین وڈ نے آئینے میں اپنی آنکھوں کے کونوں سے اپنا سائڈ دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے کہہ رہی ہو؟"

"تجھے ایک غیر مرد کو اپنا جسم سونپتے ہوئے غیرت نہیں آتی۔"

"ہندوستان کے کسی بڑے شاعر نے کہا ہے —— آ غیرت کے پردے ایک بار پھر پھاڑ ڈالیں ——"

"غلط۔"

"کیوں؟"

"مصرع ظاہری اور باطنی دونوں لحاظ سے غلط ہے۔ اِس کی بحر ہمارے عروض سے خارج ہے اور غیرت کے پردے پھاڑ ڈالنے کا تخیل مشرقی روایات کے خلاف ہے۔ تو اپنی بدتمیزی شاعر پر تھوپ رہی ہے۔"

"میں نے یہ شعر اپنے اردو پڑھانے والے منشی سے سُنا تھا۔ اِس شعر کو سننے سے پہلے

میں مشرقی شاعری کو ایک ناکارہ چیز سمجھتی تھی۔ اس شعر کو لکھنے والے کا مطالعہ اور تجربہ کتنا وسیع ہے۔ عورتوں اور مردوں کے درمیان غیرت کا پردہ قوم کے مفاد کے خلاف ہے میں پبلک کی تعریف کرتی ہوں۔ عورتوں اور مردوں نے ملکر غیرت کے پردے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ـــــ"

"بیوقوف لڑکی، تو مصرع کو ٹھیک نہیں سمجھ سکی۔ وہاں 'غیرت' غلط ہے اُس کی جگہ 'غیریت' ہونا چاہیئے ـــــ آ غیریت کے پردے اک بار پھر ـــــ پھاڑ ڈالیں۔ غلط ہے 'اُٹھا دیں' درست ہے اب مصرع مکمل ہے۔ اور یہ ہندو مسلم اتحاد کی تلقین ہے۔"

"تم نے مصرعے کو اصلاح دیکر مصرعے کا ستیاناس کر دیا۔ ہندو مسلم اتحاد ایک فرسودہ خیال ہے۔ عورتوں اور مردوں کے اتحاد کے مضمون میں نازک خیالی ہے۔"

"تو کس قدر کمینی لڑکی ہے۔"

"تم سے کم کمینی ہوں کہ ذرا شاہجہاں کے ساتھ دیکھ لیا تو جل گئیں۔"

"بیوقوف لڑکی، میں ملکہ ہوں۔"

"بیوقوف ملکہ، میں لڑکی ہوں۔"

"میں تجھ سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ تو میرے شوہر سے کیوں ہمکنار تھی۔"

"میں عورت کا وقار قائم کر رہی تھی۔"

"عورت کا وقار!"

"مرد کے مضبوط ہاتھوں سے عورت کی صدیوں سے چھنی ہوئی آزادی واپس لینے کے لئے عورت کے پاس ایک حربہ ہے وہ حربہ ہے عورت کا حسن۔ عورت کے حُسن کا ایک اشارہ مرد کو عورت کے پاؤں میں لا پھینکتا ہے۔ مغرب کی عورت نے اس حربے سے اپنی کھوئی ہوئی پوزیشن حاصل کر لی ہے۔ اِس لئے اس کو اِس سے اتنی محبت ہے کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے حسین نظر آنے

کی کوشش کرتی ہے۔ پاؤڈر، رُوج اور لپ اسٹک اس کے لئے زندگی کی سب سے بڑی ضروریات ہیں۔"

"لعنت ہے ایسی آزادی پر!"

"ملکہ! میں تیری ہر بات برداشت کر سکتی ہوں لیکن عورت کی آزادی کے خلاف کچھ نہیں سن سکتی۔"

"آخر فائدہ کیا ہے اِس آزادی کا؟"

"ویل! میرے پاس ضائع کرنے کے لئے وقت نہیں۔ مجھے تاج کی کچھ تصویریں لینی ہیں۔ میں اپنا البم مکمل کرنا چاہتی ہوں۔"

"البم!"

"میرے واپس آنے تک تم میری ماں کا البم دیکھو۔ اِس میں وہ تمام تصویریں ہیں۔ جو اُس نے ہندوستان میں آکر لی تھیں۔"

وہ چلی گئی۔

اُنہوں نے البم دیکھنا شروع کر دیا۔

کچھ دیر کے بعد اُن کے پاس ایک شاندار کار آکر کھڑی ہو گئی۔ جہانگیر مغلیہ لباس میں کار سے برآمد ہوا۔"

"خورّم!"

شاہجہاں اور ممتاز محل چونک گئے۔

"عالم پناہ! عالم پناہ! میں خواب دیکھ رہا ہوں؟"

"خورّم! میں جہانگیر ہوں۔ خواب نہیں، تم معجزہ دیکھ رہے ہو۔ یہ سیاہ لوہے کا خوبصورت

کمرہ خود بخود حرکت کرتا ہے۔ اس کی رفتار سے ہوا کھسیانی ہو جاتی ہے۔ اس کو کار کہتے ہیں چند لڑکیاں دو ہفتوں کے لئے میرے مقبرے میں تفریح کو آئی ہوئی ہیں۔ انہوں نے مجھے کار چلانا سکھائی ہے۔ اُن کی اجازت سے میں اس کار پر ہندوستان کی سیر کر رہا ہوں۔ اُت تغیر! تھیٹر کی عمارت تاج کی عمارت سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے۔ عام لوگوں کی عادتیں اور لباس حاکم کی علوتوں اور لباس سے کسی طرح کم نہیں۔ لیلیٰ محمل میں نہیں رہتی۔ اپنے مجنوں کے بازو میں بازو ڈال کر سمندر کے کنارے سیر کرتی ہے۔ عورت مرد کے برابر سمجھی جاتی ہے۔ اور وہ یہ بلند مقام حاصل کرنے کے لئے اپنے حسن تک کو بھی مرد کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے۔ دلکش نظر آنے کے لئے وہ چند حربوں سے کام لیتی ہے جن کا نام پاؤڈر روج اور لپ سٹک ہے۔ پاؤڈر رُوج اور لپ سٹک اس کے لئے زندگی کی سب سے زیادہ ضروری اور قیمتی چیزیں ہیں۔ ایک معمولی انسان اپنے حاکم سے باتیں کرتا ہوا کسی خاص تعظیم سے کام نہیں لیتا۔ لوگ مغلیہ خاندان کی عظمت کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ وہ کہتے ہیں مغل شاہنشاہ نیم مہذب عیاش تاتار تھے جن کے دل میں اپنی رعایا کے لئے جگہ نہ تھی۔ وہ خونخوار بھیڑیئے تھے۔ جو اپنی رعایا کا لہو پی کر جیتے تھے۔ اُن کی مرمر کی عمارتوں میں اُن کی رعایا کی ہڈیاں تھیں۔ اُن کی سُرخ عمارتوں میں اُنکی رعایا کا خون تھا۔ صرف مغلوں کی ہی نہیں۔ بلکہ وہ اپنے موجودہ حاکموں کی بھی اسی زہریلے لہجہ میں تنقید کرتے ہیں۔ لوگ پر لگا کر آسمان میں اڑتے پھرتے ہیں۔ خورم ——"

اچانک جہانگیر کی نظریں تاج کی طرف چلی گئیں۔ مس گرین وہ فوٹو لے رہی تھی۔

"—— خورم! اس لڑکی کو میں نے کہیں دیکھا ہے۔"

"عالم پناہ! وہ خود بتاتی تھی۔ چند مہینے ہوئے۔ اُس نے آپ کی رُوح سے ملاقات کی تھی۔"

"سچ کہتے ہو، خورم؟"

"وہ ابھی حضور کی خدمت میں حاضر ہو جائے گی۔"

"خورّم! میں نے اس لڑکی کی تلاش میں ہندوستان کا گوشہ گوشہ چھان مارا ہے میں اس کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں جاتا ہوں خورّم۔"

جہانگیر بے قراری کے عالم میں تاج کی طرف بھاگ گیا۔ شاہجہاں اور ممتاز محل نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ اور پھر البم دیکھنے میں مشغول ہو گئے۔

چاند دلکش اور درخشاں، سمندر سیاہ اور ساکن۔ ریگستان سفید اور چمکدار، پہاڑ خوفناک اور لامتناہی۔

یکایک شاہجہاں نے چیخ ماری۔ البم اُس کے ہاتھوں سے ریت پر گر پڑا۔ ممتاز محل نے اُسے گرتے کو سنبھالا۔ چیخ سُن کر جہانگیر اور مس گرین وڈ بھاگے ہوئے آئے۔

مس گرین وڈ نے پوچھا: "کیا ہوا شاہجہاں؟"

ممتاز محل نے جواب دیا: "البم میں اس تصویر کو دیکھ کر ڈر گئے۔"

مس گرین وڈ نے تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "مہاتما گاندھی۔"

ممتاز محل نے شاہجہاں کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا: "اس مردے کا ڈھانچہ اکثر اُن پہاڑوں کی چوٹی پر نظر آتا ہے۔ اور یہ جتنی دفعہ دیکھتے ہیں اُتنی دفعہ ڈر جاتے ہیں۔"

"مہاتما گاندھی مردہ نہیں۔ زندہ ہے۔ وہ موجودہ ہندوستان کا غالباً سب سے بڑا لیڈر ہے اُس کے سامنے یہ چرخہ اس کی ہندوستانی صنعت کے ساتھ بے پناہ محبت کی طرف اشارہ ہے اس چرخے نے کئی دفعہ تمام ہندوستان کو کچے دھاگے میں باندھ کر اس کے پیروں پر لا گرایا ہے لیکن کچا دھاگا ٹوٹ جاتا ہے۔ ہندوستان بکھر جاتا ہے۔ وہ ایک نہایت پیچیدہ شخصیت کا آدمی ہے۔ ڈرنے کے قابل نہیں، مطالعہ کرنے کے قابل۔ میں تم سب کو اس کا ر

میں اُس پہاڑ کی چوٹی پر لے جاؤں گی۔ اُس سے ملاقات تمہارا خوف دور کر دے گی۔"

وہ سب کار میں بیٹھ گئے۔

تنگ پیچیدہ اور پتھریلے راستوں میں سے ہوتی ہوئی کار پہاڑ کی چوٹی کی طرف جا رہی تھی۔

یکایک اُن کے سامنے کچھ فاصلے پر ایک چٹان کے پیچھے دھیمی دھیمی گونج پیدا ہوئی ریگستان کی ریت کسی تھکی ہوئی رقاصہ کی طرح رقص کرنے لگی، سمندر کا پانی کسی پست ہمت طوفان کی مانند ملنے لگا۔

شاہجہاں سہم گیا

اور پھر یک لخت مہاتما گاندھی اپنے چرخے کے ساتھ اُن کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔

شاہجہاں چیخ اُٹھا۔ کار قابو سے باہر ہو گئی۔ چرخہ اور کار ٹکرا گئے۔ کار پاش پاش ہو گئی۔

ٹوٹی ہوئی کار کے ٹکڑے پہاڑ کی ڈھلوانوں پر لڑھکتے ہوئے تاج کے میناروں کے پاس آ کر ٹھہر گئے۔

محمد اقبال عباسی